New Era Magazine

غزل حیات

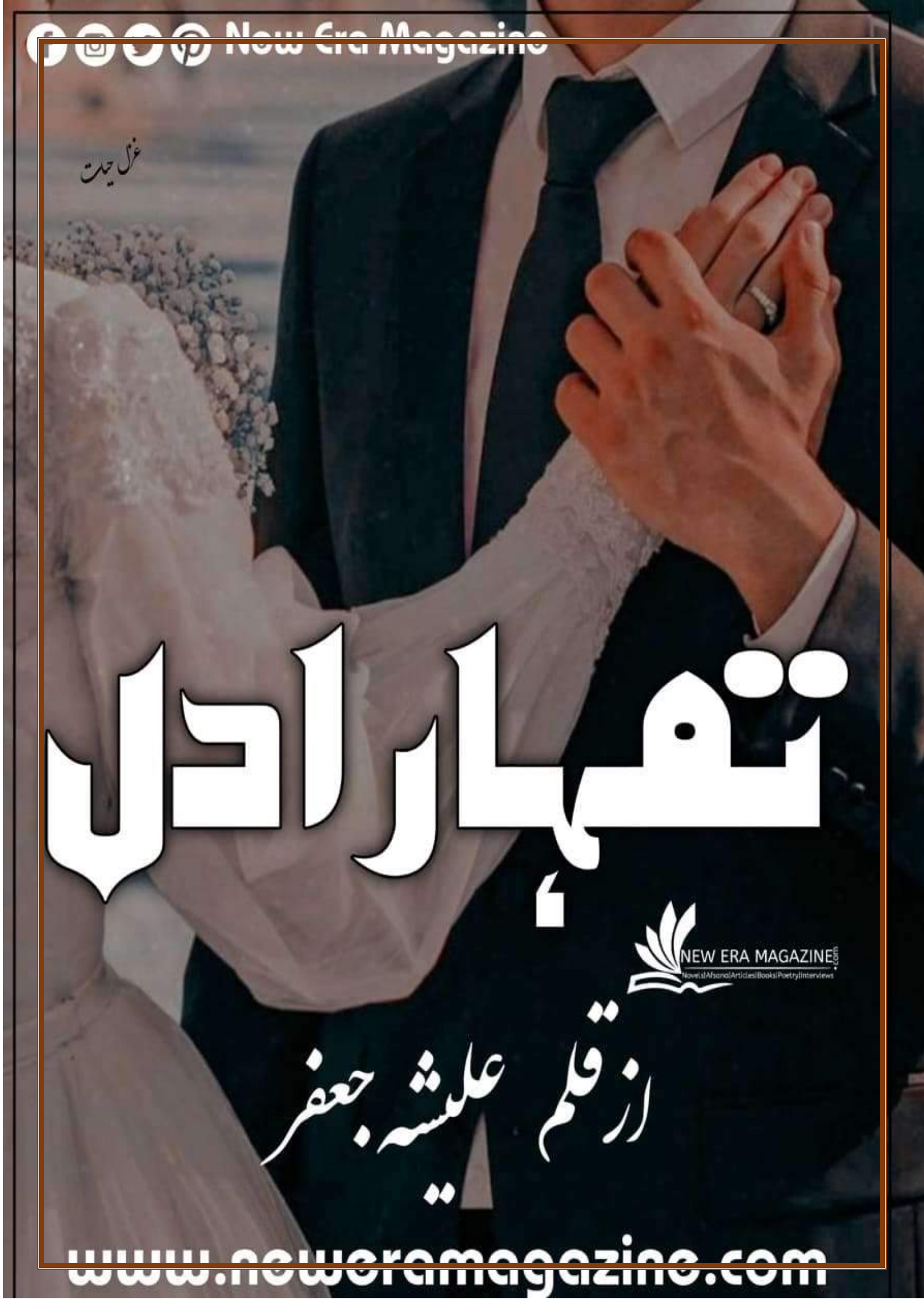

تمہارا دل

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Interviews

از قلم علیشہ جعفر

www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مکمل ناول)

تمھارا دل

از علیشہ جعفر

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

☆☆☆☆☆

رات کے آخری پہر گُھپ اندھیرے میں کسی بھی طرف دیکھے بغیر بے جان قدموں کے ساتھ وہ دور تک بچھی بل کھاتی تارکول کی سیاہ سڑک پر چلتی جا رہی تھی۔ارد گرد گہری خاموشی اور سناٹا تھا مگر اس سناٹے سے زیادہ نہیں جو اس وقت اس کے اندر باہر پھیلا ہوا تھا۔شاید اس نے ہاتھوں میں کچھ تھام رکھا تھا مگر تاریکی کے باعث کچھ واضح دکھائی نہ دے رہا تھا۔رگوں میں دوڑتے خون کو جما دینے والی سرد ہوائیں بار بار اس کے وجود سے ٹکراتیں اور اسے ٹھٹھرنے پر مجبور کر دیتیں۔

دور سے اسے سڑک کے کنارے کچھ نظر آیا اور اس کے قدم سست پڑ گئے۔بے حد شکستہ چال چلتی وہ اسی طرف بڑھی۔وہ لکڑی کا چھوٹا سا ایک بینچ تھا۔اس کے قریب پہنچ کر وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی اور سر جھکا کر اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھامی شے کو دیکھنے لگی۔ٹھیک اسی پل اس سے ذرا سے فاصلے پر ایک گاڑی انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ گزر کر آگے بڑھ گئی مگر اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں ایک لمحے۔۔۔صرف ایک لمحے کے لئے اس کا وجود روشن ہوا اور ہاتھوں میں تھامی ایک چھوٹی سی ٹوکری بھی واضح ہوئی تھی۔وہ اسی طرح اس ٹوکری کی جانب دیکھتے ہوئے اس پر جھکی۔کچھ لمحے سر کے تھے جب اس نے سر اٹھایا اور اگلے ہی پل بینچ کے نیچے کی

طرف جھکی پھر سیدھی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر اب اس کے ہاتھ خالی تھے۔۔۔ بالکل خالی! اسے ہاتھوں کی طرح اپنا وجود بھی بالکل خالی محسوس ہو رہا تھا جیسے جسم کا کوئی بے حد اہم عضو جدا ہو گیا ہو۔

اس کے بعد وہ وہاں ٹھہری نہیں تھی۔ فوراً پلٹ کر تیز قدموں سے چلنے لگی تھی۔ چلتے ہوئے بار بار اس کی آنکھیں نمی کی وجہ سے دھندلانے لگتیں جنہیں وہ ایک ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر صاف کرنے کی کوشش کرتی جبکہ دوسرے ہاتھ سے خود پر اوڑھی ہوئی چادر کو تھام رکھا تھا جو تیز ہواؤں سے اڑنے لگتی تھی۔ کافی دور آ کر اس کے قدم تھمے اور دل کی دھڑکن بھی۔

آنکھوں کے سامنے موجود انتہائی خطرناک کھائی کی گہرائی کا ٹھیک ٹھاک اندازہ وہ اس تاریکی میں بھی کر سکتی تھی۔ ایک پل کے لئے تو مارے خوف کے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی اور حواس جھنجھنا اٹھے مگر۔۔۔ یہ کیفیت صرف ایک پل کے لئے تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے زور سے اپنی آنکھیں میچیں اور آہستہ سے اپنے وجود کو آگے کی طرف دھکیلتے ہوئے بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا۔

چند لمحے گزرے تھے جب فضاؤں میں پھیلی خاموشی میں مدھم سی آواز نے خلل پیدا

کیا جیسے کوئی شے کسی پتھریلی سطح سے رگڑ کھاتے ہوئے نیچے گری ہو۔۔۔پھر وہی موت سا سناٹا چھا گیا۔

☆☆☆

"آخر تمہیں اپنے ماں باپ پر رحم کیوں نہیں آتا سونی؟ کیوں اس عمر میں ہمیں زلیل کروانے پر تلی ہو؟ بوڑھے ماں باپ کو تکلیف پہنچا کر جانے کون سے ثواب کمانا چاہتی ہے یہ لڑکی؟" رضیہ بیگم پھر وہی موضوع لے کر بیٹھ گئی تھیں۔ان نے بے بسی سے آنکھیں زور سے میچیں اور صوفے پر بیٹھے ہوئے ہی اپنا رُخ ان کی جانب سے قدرے موڑ لیا اور کام میں مگن رہی جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔وہ جو کچن کی کھڑکی کے پاس کھڑیں اسے ہی لاونج کے صوفے پر بیٹھ کر لیپ ٹاپ میز پر رکھے اپنے آفس کا کام کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اپنی بات یوں اَن سُنی کیے جانے پر بُری طرح سے آگ بگولہ ہوئیں۔فوراً سے چولہے کی آنچ دھیمی کرتیں کچن سے نکل کر اس کے سر پر جا پہنچیں۔

"تم سن بھی رہی ہو میری بات یا میں ان دیواروں سے سر پھوڑ رہی ہوں؟" اب اس کے لئے مزید انہیں نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا سو ناچار لیپ ٹاپ ایک طرف کرتی وہ ان

کی جانب متوجہ ہوئی۔

"جی میں سن رہی ہوں۔آپ کہیں!"نرمی سے انہیں دیکھ کر بولی۔وہ بے حد ناراضی سے سر جھٹک کر اس کے پاس ہی صسوفے پر دھب سے بیٹھ گئیں۔

"ہونہہ۔۔۔بالکل بی بی اتنی ہی تو فرمانبردار اولاد ہو تم!جی میں سن رہی ہوں۔"آخر میں اس کی نقل اتار کر وہ جس انداز میں بولیں سونل کو بے ساختہ ہنسی آگئی جسے وہ بمشکل ضبط کر پائی ورنہ اس کی ہنسی اس وقت جلتی پر تیل کا کام کرتی۔

"امی اب آپ سراسر زیادتی کر رہی ہیں میرے ساتھ۔میں نے کب آپ کی اور ابا کی نافرمانی یا حکم عدولی کی ہے مجھے بتائیں۔"پھر انہیں کچھ کہنے کے لئے منہ کھولتا دیکھ کر خود ہی اپنے جملے میں اضافہ کر دیا۔"سوائے ایک بات کے!"

"اور وہ ایک بات ہی تو سب سے اہم ہے جس کے لئے تم مان نہیں رہی ہو۔باقی معاملوں میں تمہاری فرمانبرداری کا کیا اچار ڈالیں ہم؟"وہ بھڑک اٹھیں اور غضبناک نظروں سے اپنی اکلوتی دختر کی جانب دیکھا مگر نظر اس کے چہرے پر پڑنے کی دیر تھی۔سارا غصہ ہوا ہو گیا۔معصوم چہرے پر بے بسی رقم تھی۔ان کا دل پگھل گیا۔اولاد وہ بھی اکلوتی اور نازوں پلی۔وہ ماں تھیں اور بہت اچھے سے اس کی بے انتہا حسّاس اور

ہمدرد طبیعت سے واقف تھیں۔ بچپن سے لے کر آج تک انہوں نے اسے خدمتِ خلق، دوسروں سے بھلائی اور ہمدردی کرنے پر سراہا ہی تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ ان کی بیٹی کا احساس سے بھرا دل ہر اپنے پرائے کی تکلیف پر کس طرح تڑپ جاتا ہے مگر اب یہ معاملہ سنگین ہو چکا تھا۔ ہمدردی اور انسان دوستی ایک طرف مگر وہ ایسے اکلوتی بیٹی کو اپنا مستقبل برباد کرنے نہیں دے سکتی تھیں۔ اس لئے اگلے ہی پل اس کے سفیدی مائل گندمی شفاف چہرے سے نظریں ہٹالیں اور جب بولیں تو لہجہ سنجیدہ اور بے حد دوٹوک تھا۔

"اولاد اگر غلطی پر ہو تو والدین کا فرض بنتا ہے کہ اس کی غلطی کو سدھاریں نہ کہ اس کی بے وقوفی میں اس کا ساتھ دیں اور میں نے اور تمہارے ابا نے فقط تمہاری محبت میں پچھلے ڈیڑھ سال سے اس بے وقوفی میں تمہارا ساتھ دے کر بہت غلط کیا ہے جس کا اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے اس لئے اب مزید میں تمہاری کوئی فضول بات نہیں سننے والی۔" اس نے یکدم پریشانی سے انہیں دیکھا جو واقعی اسے کوئی رعایت دینے کے موڈ میں نظر نہیں آرہی تھیں۔

"پر امی آپ میری با۔۔۔" اس نے تیزی سے ہاتھ پاؤں مارنے چاہے مگر وہ اس کی

بات کاٹ گئیں۔

"خاموش! بالکل بھی بحث نہیں۔رشیدہ نے تمہارے لئے دو تین بہت اچھے گھرانوں کے رشتے بتائے ہیں اور اب میں سنجیدگی کے ساتھ ان کے بارے میں معلوم کر کے سب سے موزوں جگہ تمہارا رشتہ طے کر دینے لگی ہوں۔"

ان کی بات ختم ہوتے ہی لاؤنج میں چھوٹے بچے کے رونے کی آواز گونجی اور ساتھ ہی رحمان صاحب گود میں ڈیڑھ سالہ سرخ و سفید گول مٹول سے شایان کو اٹھائے داخل ہوئے جو بلک بلک کر رو رہا تھا۔سونل نے تڑپ کر ابا سے اسے لینے کے لئے ہاتھ بلند کیے جو اسے دیکھتے ہی اور زور زور سے روتے ہوئے ان کی گود سے اچھل کر اسی کی جانب لپک رہا تھا۔انہوں نے شایان کو اسے تھمادیا جو اس کی آغوش میں آتے ہی یکدم پر سکون ہو کر چپ کر گیا تھا۔

"آپ ہی اسے کچھ سمجھائیں سونی کے ابا! ویسے بھی یہ سب آپ کی ہی شہ کا نتیجہ ہے۔" وہ کچھ دیر پہلے ہونے والے اس جزباتی مظاہرے پر صبر کے گھونٹ بھر کر رہ گئیں مگر شوہر سے کہے بغیر نہ رہ سکیں۔اس نے دونوں بازوؤں کے گھیرے میں شایان کو زور سے بھینچے ایک شکوہ کناں نظر ماں پر ڈالی جو اسے نظر انداز کرتی ہوئیں

رحمان صاحب کے پاس سے گزر کر کمرے سے نکل گئیں۔

وہ پہلے تو اس اچانک افتاد پر کچھ سمجھ نہ پائے مگر جب بیوی کے خطرناک حد تک سنجیدہ اور بیٹی کے بے چارگی بھرے تاثرات ملاحظہ کیے تو سارا معاملہ ان کی سمجھ میں آ گیا۔ گہرا سانس بھر کر وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ان کے بیٹھتے ہی وہ کھسک کر ان کے قریب آ گئی اور منت بھرے لہجے میں بولی۔

"ابا۔۔۔!آپ کچھ کریں ناں سمجھائیں اپنی بیگم کو۔وہ تو پوری طرح ہاتھ منہ دھو کر میرے پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔"

انہوں نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔"میری بیگم تمہاری بھی کچھ لگتی ہیں محترمہ!"

"جی میں جانتی ہوں وہ میری والدہ ماجدہ لگتی ہیں مگر پلیز اس وقت اس بحث کو ایک طرف رکھیں اور میری مدد کریں۔اس بار وہ سچ میں بالکل سنجیدہ ہیں اور کمر کس کر میدان میں اتری ہیں کہ میری شادی کروا کر ہی دم لیں گی۔"انہوں نے اس کی پوری بات سنی اور کندھے اچکائے۔

''ہاں تو اس میں میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''ان کے اس مشکل وقت میں یوں ہاتھ جھٹک دینے پر پوری آنکھوں کے ساتھ ساتھ اس کا منہ بھی کھل گیا۔

''آپ سے مجھے اس بے وفائی کی امید بالکل نہیں تھی۔''اس نے شکوہ کیا۔

''کیا کروں میری جان۔۔۔بیوی سے بھی بے وفائی نہیں کر سکتا ہوں۔''انہوں نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔وہ ناراضی سے منہ پھلا کر اٹھ کر جانے لگی جب انہوں نے بازو سے پکڑ کر اسے واپس بٹھایا اور سنجیدہ ہوئے۔

''سونی گڑیا! تمہاری امی کچھ غلط نہیں کر رہی ہیں۔خود کو ان کی جگہ پر رکھ کر سوچو۔تم ہماری اکلوتی لاڈلی اولاد ہو۔آج تک جہاں

تک ہم سے ہو سکا ہے ہم نے تمہاری ہر جائز خواہش پوری کی ہے۔اب ماشاءاللہ سے تم اپنی تعلیم مکمل کر چکی ہو اور جاب بھی کر رہی ہو تو یہی مناسب وقت ہے کہ ہم کسی اچھے قابل شخص کے ساتھ تمہیں رخصت کر کے اپنا فرض پورا کریں۔کیا ہماری یہ خواہش غلط ہے؟''ابا تو امی سے بھی چار ہاتھ آگے نکلے۔وہ بے بسی سے لب کاٹتی ان کی بات سنتی رہی مگر آخری بات پر بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔

''میں یہ کب کہہ رہی ہوں کہ آپ دونوں غلط ہیں اور میں شادی سے بھی انکاری نہیں ہوں۔بس میری ایک ہی شرط ہے کہ جو بھی مجھے قبول کرے وہ۔۔۔وہ شایان کے ساتھ قبول کرے۔کیا یہ کوئی بہت عجیب بات ہے؟کیا لوگ بچے گود نہیں لیا کرتے؟ کیا وہ انہیں اپنی اولاد کی طرح نہیں چاہتے؟تو پھر آپ لوگ میرا ہی مطالبہ کیوں رد کر رہے ہیں؟''

''میری جان لوگ بچے اڈوپٹ کرتے ہیں۔انہیں پیار بھی کرتے ہیں مگر ایسا کوئی تنہا لڑکی نہیں کرتی جبکہ ابھی وہ غیر شادی شدہ بھی ہو۔میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔''اس کے درمیان میں کچھ بولنے سے پہلے ہی انہوں نے ٹوک دیا۔

''مگر تم نے ایسا کیا۔تم اسے گھر لے آئیں،اسے اپنی اولاد کی طرح پیار کیا،اسکا خیال رکھا۔ہم نے تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں کیا۔تم جو کرنا چاہتی تھیں کرنے دیا۔اب تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ تم ہماری بات کا مان رکھو۔ہم شانی کو تم سے دور تو نہیں کر رہے تم جب چاہو یہاں آکر اس سے مل لیا کرنا۔ہم اس کا بہت خیال رکھیں گے۔کیا اپنے ابا پر بھی اعتبار نہیں ہے تمہیں؟''وہ اسے بہت ملائمت اور رسان سے سمجھا رہے تھے کیونکہ سختی وہ اس پر کر ہی نہیں سکتے تھے۔نازوں پلی اکلوتی بیٹی اوپر

سے حد درجہ حسّاس طبیعت کی مالک۔

"بات اعتبار کی نہیں ہے۔بات محبت کی ہے۔۔۔لگاؤ کی ہے! میں اب اس کے بغیر رہ نہیں سکتی۔آپ کو پتا ہے اسے دیکھ کر مجھے کبھی محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ میری اپنی اولاد نہیں ہے۔اور اگر بات صرف میری ہوتی تب بھی میں کسی طرح خود پر ضبط کر لیتی مگر ایک بات آپ مجھے بالکل سچ سچ بتائیں۔کیا یہ اس معصوم جان پر ظلم نہیں ہو گا کہ میں اسے اپنے وجود کا اس قدر عادی بنا کر کہ اب یہ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاتا ہی نہیں ہے اسے چھوڑ جاؤں؟ یہ ننھا سا پھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جائے گا ابا۔ یہ میرا ہی بیٹا ہے میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتی کہیں۔پلیز!" وہ اپنی گود میں موجود شانی کو والہانہ پیار کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔رحمان صاحب بھی بے بس سے ہو کر یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

اس بات میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ ڈیڑھ سالہ شایان اب ان کی بیٹی کے وجود کا بُری طرح عادی ہو چکا تھا۔وہ اسے لئے بس کچھ دیر کے لئے گھر کے پاس واقع پارک تک چہل قدمی کرنے گئے تھے جب وہ ان کے کسی دوست کو دیکھ کر گھبرا گیا اور رونا شروع کر دیا۔پھر تب تک چپ نہ ہوا جب تک کہ سونل نے اسے ساتھ لگا کر اپنا احساس نہ

دلایا۔وہ صرف اسی کی آغوش میں خود کو محفوظ تصور کرتا تھا۔وہ پہلے شایان اور پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اللہ بہتر کرے گا!" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔یہ ساری صورتحال اب ان کے لئے واقعی بہت سنگین ثابت ہو رہی تھی۔

اس نے ایک نظر ان کی پشت کو دیکھا اور نظریں دوبارہ شانی کے معصوم پھولے پھولے گالوں والے چہرے پر ٹکا دیں۔اسے دیکھتے ہوئے وہ ماضی میں کھو گئی۔

☆☆☆

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ڈیڑھ برس قبل:

اوائل سردیوں کے دن تھے۔صبح کے نو بج رہے تھے جب وہ اپنے روم سے نکل کر ہوٹل کی لابی تک آئی۔سفید بٹنوں والی شرٹ،سیاہ جینز کی پینٹ اور ساتھ سرخ رنگ کا لانگ کوٹ پہنے سر پر سیاہ حجاب لیے ہوئے وہ سردی کی شدت کو کم کرنے کی خاطر دونوں ہاتھ آپس میں رگڑ رہی تھی۔وہ اپنے آفس کے کچھ لوگوں کے ساتھ اسلام آباد دو دن کی ورکشاپ اٹینڈ کرنے آئی تھی اور آج ان لوگوں نے واپس کراچی چلے جانا

تھا۔وہ بڑی سی کانچ کی کھڑکی کے پاس کھڑی ہوٹل کے گرد پھیلے سبزے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔اس کے عقب میں نبیلہ (اس کی کولیگ) کی آواز ابھری جو اسے باہر چلنے کے لئے کہہ رہی تھی۔

اس نے پلٹ کر نفی میں سر ہلایا۔"بہت سردی ہے یار!"مگر وہ اس کی ایک بھی سنے بغیر اس کا ہاتھ پکڑے باہر نکل آئی۔

"میری اچھی سی تصویریں لو۔"نبیلہ نے اسے اپنا سیل فون پکڑایا اور خود اچھا سا پوز بنائے کھڑی ہو گئی۔وہ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اس کی مختلف زاویوں سے تصویریں لینے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ہوٹل سے نکل سڑک پر چلنے لگیں۔مارگلہ کی حسین وادیوں کو دیکھ کر کچھ لمحوں کے لئے تو وہ بھی اپنے سردی سے بجتے دانتوں کو نظر انداز کرتی مبہوت سی رہ گئی۔نبیلہ اپنی سیلفیاں لینے میں مگن تھی جب اسے کچھ آواز سنائی دی۔اس نے گردن موڑ کر دیکھا دیوار کے پاس ایک لکڑی کا بینچ رکھا تھا جس کے آس پاس تین چار بلّیاں منڈلا رہی تھیں اور ایک دو لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔اس نے اپنا وہم جان کر توجّہ دوبارہ نظاروں کی جانب مبذول کرنے کی کوشش کی مگر ناکام

ہوئی۔

بہت باریک اور دھیمی سی آواز جیسے کہیں دور سے یا کسی بند جگہ سے آ رہی ہو اسے اب بھی سنائی دے رہی تھی۔اس نے پھر مڑ کر بینچ کی طرف دیکھا، آواز یہیں کہیں سے آ رہی تھی۔وہ عجیب سے احساسات میں گھری اسی سمت بڑھی۔اس کو دیکھ کر ساری بلّیاں وہاں سے غائب ہو گئیں۔وہ زمین پر بیٹھ گئی اور جھک کر بینچ کے نیچے دیکھا۔ سوکھے پتوں کے نیچے اسے کوئی چیز محسوس ہوئی۔آواز اب کچھ بلند ہو گئی تھی۔اس نے ہاتھ بڑھا کر پتے جھاڑے تو نیچے سے ایک چھوٹی سی ٹوکری برآمد ہوئی جس پر چھوٹا سا نیلے رنگ کا کمبل رکھا تھا اور جیسے ہی اس نے وہ کمبل ہٹایا ایک نوزائیدہ بچے کے شدّت سے رونے کی آواز گونجنے لگی۔اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔دونوں ہاتھ منہ پر رکھے وہ یک ٹک بچے کو دیکھ رہی تھی جو جانے کب سے روتے ہوئے اب نڈھال سا ہو گیا تھا۔

"سونل وہاں کیا کر رہی ہو؟ یہاں آؤ نا یار۔" نبیلہ کی آواز پر وہ جیسے ہوش میں آئی۔ فوراً ہاتھ بڑھا کر بچّے کے گرد اچھی طرح کمبل لپیٹ کر اسے گود میں لیا اور خود اٹھ کھڑی ہوئی۔اتنے میں وہ اس کے قریب پہنچ گئی اور اس کے ہاتھ میں اچانک ہی

نمودار ہونے والے اتنے چھوٹے بچّے کو دیکھ اس کا بھی حیرت سے منہ کھل گیا۔ ”یہ کس کا بچہ ہے؟“

”پتا نہیں!“

”تمہیں کہاں سے ملا؟“

”یہاں اس بینچ کے نیچے رکھی ایک ٹوکری میں سے۔“ وہ پریشان سی اس کے سوالات کے جوابات دے رہی تھی۔ ساتھ ساتھ آس پاس نظر بھی دوڑا رہی تھی مگر سڑک کا وہ حصہ اس وقت تقریباً سنسان تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

”تو تم نے اسے کیوں اٹھایا ہوا ہے؟“ نبیلہ ابھی بھی آنکھیں پھیلائے بس اس بچے کو ہی دیکھے جا رہی تھی۔ اب کہ اس کے سوال پر سونل نے اسے گھورا۔

”نظر نہیں آ رہا بچہ رو رہا ہے۔ اسے ٹھنڈ لگ گئی ہے جلدی ہوٹل چلو۔ جانے کب سے یہاں اتنی سردی میں پڑا ہوا تھا کہیں بیمار نہ ہو گیا ہو۔“ اسے ایک نئی فکر نے آن گھیرا اور وہ اس کا انتظار کیے بغیر مڑ کر تیزی سے ہوٹل کی طرف چل دی۔ وہ بھی اس کے پیچھے ہی چل رہی تھی۔ دونوں ایک ساتھ ہوٹل میں داخل ہوئیں۔ ہیٹر چلنے کے باعث

اندر کا ماحول باہر کے مقابلے میں کافی گرم تھا۔اس نے بچے کو سینے سے لگایا ہوا تھا جو رونا بند کر چکا تھا۔وہ بار بار اس کے گرد کمبل ٹھیک کر رہی تھی۔

"تم اسے ساتھ کیوں لے آئی ہو یار پاگل ہو گئی ہو کیا؟ پتہ نہیں کس کا بچہ ہے، کہاں سے آیا ہے اور تم اسے ساتھ لگائے پھر رہی ہو۔" نبیلہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنا سر ہی پیٹ لے۔

"تو کیا باہر اتنی سردی میں اسے مرنے کے لئے چھوڑ دیتی؟" وہ صدمے کا شکار ہوئی تھی اور اس کے لہجے میں اکتاہٹ محسوس کر کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔وہ گڑبڑا گئی۔سونل کی ہمدرد اور حسّاس فطرت سے اچھی طرح واقف تھی اسی لئے فوراً ٹون بدل کر بولی۔

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔میں تو بس اس لئے کہہ رہی ہوں کہ کہیں ہمارے پیچھے سے اس کے گھر والے اسے ڈھونڈنے نہ آجائیں۔" اس نے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔

"یہ اتنا چھوٹا سا بچہ جسے اس دنیا میں آئے ابھی شاید پورے دو دن بھی نہیں ہوئے ہیں، اتنی ٹھنڈ میں سڑک کنارے ایک ٹوکری میں پڑا ہوا تھا جس کو سوکھے پتوں سے ڈھک

کر با قائدہ چھپایا ہوا تھا، کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ اسے کوئی لینے آئے گا؟ اگر لینے آنا ہی ہوتا تو اس طرح مرنے کے لئے چھوڑ کر ہی کیوں جاتے؟" ایک ہی سانس میں بولتے ہوئے وہ ہانپ گئی اور چہرہ سرخ پڑ گیا۔ نبیلہ نے نظریں چرا لیں۔ وہ دونوں ہی اس بچے کی اس حالت میں ملنے کی وجہ اچھے سے سمجھتی تھیں۔

"تو پھر اب تم کیا کرو گی؟" اس نے جواب میں محض کندھے اچکا دئے جیسے خود بھی معلوم نہ ہو۔

"اسے کسی یتیم خانے میں چھوڑ آتے ہیں۔" نبیلہ نے جھٹ سے مشورہ دیا۔ وہ دونوں ہوٹل کی لابی میں رکھے صوفوں پر بیٹھ گئی تھیں۔ بچہ اس کی نرم گرم آغوش میں پر سکون سا سو چکا تھا۔ اس کے مشورے پر نجانے کیوں اس کی گرفت بچے کے گرد مضبوط ہو گئی تھی۔

"نہیں فی الحال تو میں اسے اپنے ساتھ گھر لے جانے کا سوچ رہی ہوں۔" یہ فیصلہ اس نے لمحوں میں کیا تھا۔ اس بات پر نبیلہ نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"کہاں لے جانے کا سوچ رہی ہو؟"

''تمہیں کم سنائی دینے لگا ہے کیا؟'' وہ چڑ گئی تھی اس کے سوالوں پر۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ تم اس بچے کو اپنے ساتھ گھر لے جاؤ گی۔ انکل آنٹی کو کیا بتاؤ گی؟''

''وہی جو سچ ہے!'' اس نے آرام سے کہا۔ ''اور ابا اس معاملے کا بہتر حل نکالنے میں میری مدد کریں گے۔''

''اس معاملے کا ایک ہی حل ہے جو میں تمہیں بتا رہی ہوں۔ اسے کسی یتیم خانے میں چھوڑ آؤ۔''

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

''اچھا دیکھتے ہیں۔ اگر ٹھیک لگا تو ایسا ہی کریں گے۔''

''اور ٹھیک نہ لگا تو؟'' وہ جانچتی ہوئی نظروں سے اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے ایک دم دہل گئی۔ ''ڈونٹ ٹیل می۔۔۔ تم اسے خود اڈوپٹ کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہو۔''

اس نے سوتے ہوئے بچے کے معصوم چہرے کو دیکھا اور خاموش رہی۔ کوئی جواب نہ دیا۔ نبیلہ بھی خاموش ہو گئی۔ مزید کچھ کہنا بے کار تھا۔

اور اس طرح وہ اسے ساتھ لیے کراچی آ گئی۔امی ابا نے اس کے ساتھ ایک نو مولود بچے کو دیکھ کر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔اس نے بہت تحمل اور سچائی کے ساتھ ان کے ہر سوال کا جواب دیا۔رضیہ بیگم خفا تو بہت ہوئیں مگر کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھیں۔کیا کہتیں اس نے کوئی غلط کام تو کیا نہیں تھا مگر وہ اپنی اس انوکھی اولاد کو یہ نہیں سمجھا سکتی تھیں کہ ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں کسی کا بُرا عمل تو لوگ برداشت کر بھی لیں مگر کسی کا اس قدر نیک عمل ان سے کبھی ہضم نہیں ہوتا!

بچے کو ان کے گھر آئے دس دن سے اوپر ہو چکے تھے۔اس نے اس کا نام شایان رکھا تھا۔رحمان صاحب اسے لیے مختلف ویلفیئر سینٹرز جاتے مگر وہ دونوں ہی کسی بھی جگہ سے مطمئن نہیں ہو پا رہے تھے۔شایان کے ساتھ اس کا لگاؤ روز بروز بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔اگر کسی یتیم خانے سے وہ لوگ کچھ مطمئن ہوتے بھی اور وہ شایان کو وہاں کے انچارج کی گود میں ڈالتی تو وہ اجنبی ہاتھوں میں جاتے ہی یوں تڑپ کر روتا کہ اگلا بندہ بھی گھبرا جائے۔وہ اسے اگلے ہی پل دوبارہ بازوؤں میں اٹھا لیتی اور وہ پر سکون ہو کر چپ کر جاتا۔

ہر کوئی یہ منظر دیکھنے پر دل ہی دل میں یہی سوچتا کہ یہ دونوں باپ بیٹی محض جھوٹا

ڈرامہ کر رہے ہیں۔صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ بچہ اس لڑکی کی اپنی سگی اولاد ہے۔اباساری صورتحال خاموشی سے ملاحظہ کرتے اور پھر بنا کچھ کہے معذرت کرتے اٹھ جاتے۔ان کے گھر میں ایک نومولود بچے کی آمد کوئی ایسی خبر نہیں تھی جو زیادہ دن تک چھپی رہتی جبکہ اسے چھپانے کی کوشش بھی نہ کی گئی ہو۔سب رشتہ داروں اور محلے والوں تک یہ بات پہنچ چکی تھی۔ان لوگوں نے ہر ایک کے استفسار پر ساری بات مختصراً بتادی مگر ظاہر ہے لوگوں کو

اس قدر جذباتی کہانی پر کہاں یقین آنا تھا اور اب وہی ہو رہا تھا جس کا رضیہ بیگم کو ڈر تھا۔ اب ہر جگہ اس کے کردار کے حوالے سے باتیں بننے لگی تھیں۔وہ لوگ جہاں جاتے ارد گرد چہ مگوئیاں ہونے لگتیں۔ان کی بیٹی کے آئینے جیسے شفاف کردار پر لوگ کیچڑ اچھالنے لگے تھے۔لیکن اتنا شکر تھا کہ کوئی بھی رضیہ بیگم یا رحمان صاحب کے منہ پر کچھ نہیں کہہ پاتا تھا۔بس دبے الفاظ میں تھوڑا بہت بول کر خاموش ہو جاتے تھے۔اس وجہ سے انہوں نے زیادہ تقریبات وغیرہ میں شرکت کرنا ہی ترک کر دیا تھا۔ایک سچے دل اور صاف نیت سے کی گئی نیکی کو اس معاشرے نے ان کے لئے عذاب بنا دیا تھا۔مگر اس سب کے باوجود بھی اس کے علاوہ ابا کے دل میں بھی شایان

کے لئے کوئی میل نہیں تھا۔اور ہوتا بھی کیسے ؟اس معصوم کے ساتھ تو زندگی نے پہلے ہی بڑا ظلم کیا تھا۔ہاں مگر امی ان ساری باتوں سے اکتا کر کبھی کبھی غصے میں آجاتی تھیں اور ان کے عتاب کا شکار وہ تینوں ہی بنتے تھے۔مگر اسے بُرا نہیں لگتا تھا ان کا غصہ کرنا کیونکہ ان کی پریشانی بھی اپنی جگہ ٹھیک تھی۔

آج ڈیڑھ سال ہو گیا تھا شایان کو ان کے ساتھ رہتے ہوئے۔کسی نے بھی یہ بات اپنے منہ سے نہیں کہی تھی مگر سمجھ چکے تھے کہ اب وہ سب ہی شایان کو اس گھر کا حصہ مان چکے تھے۔رحمان صاحب پھر اسے کسی یتیم خانے نہیں لے گئے تھے۔رضیہ بیگم بیٹی اور شوہر کی خاطر ہی سہی مگر اس کی غیر موجودگی میں شانی کا خوب خیال رکھتی تھیں۔ کچھ اس کے معصوم چہرے،اس پر ہمہ وقت رہنے والی مسکراہٹ اور دل موہ لینے والی اداؤں کا ہاتھ تھا کہ ان تینوں کے دل میں بہت جلد شایان کے لئے ایک نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا۔

مگر اب اسے سب سے بڑا مسئلہ درپیش تھا اور وہ تھا شادی۔۔۔!اسے شادی کرنے سے قطعی کوئی مسئلہ نہ تھا۔بس وہ شانی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھی ہمیشہ اور کوئی بھی اسے ایک عدد بچے کے ساتھ وہ بھی جسے گود لیا گیا ہو،قبول نہیں کر سکتا تھا۔اس بار تو امی

بھی اس کی کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

☆☆☆

میز پر لیپ ٹاپ رکھا تھا اور ساتھ ایک بھانپ اڑاتا چائے کا کپ! وہ انگلیوں کی مدد سے کھٹا کھٹ ٹائپ کرنے میں مگن تھی۔ کچھ کچھ دیر میں رک کر کپ سے ایک آدھ گھونٹ بھی بھر لیتی۔ اسی اثناء میں اس کا فون بجا۔ دیکھا تو امی کی کال تھی۔ سلام کے بعد انہوں نے اسے آفس سے جلدی گھر آنے کے لئے کہا تھا۔

"کیوں خیریت؟" اسے خطرے کی گھنٹیاں بجتی صاف سنائی دیں۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔ آج شام تمہیں دیکھنے کچھ مہمان آرہے ہیں اس لیے جلدی گھر آؤ اور سنو۔۔۔" امی اسے مزید ہدایات دینے لگیں اور وہ پریشانی سے ہونٹ کاٹتی سن رہی تھی۔ پھر لنچ بریک ہوتے ہی ناچاہتے ہوئے بھی وہ آفس سے نکل گئی۔ گھر پہنچتے ہی امی کی پھُرتیاں دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گئی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کچھ کر ڈالیں۔

"اللہ جانے کہاں کے شہزادہ گلفام کا رشتہ آگیا ہے امی جو آپ یوں خوشی سے بے حال

ہو رہی ہیں۔" وہ خود کو کہنے سے باز نہ رکھ سکی۔انہوں نے جواباً اسے ماتھے پر تیوری چڑھائے گھورا۔

"چپ رہو اور خبردار جو مہمانوں کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات کی ہے تم نے۔" وہ جھڑک کر کہتیں اس کی الماری سے ایک ہلکے گلابی رنگ کا لباس جس کے گلے، بازوؤں اور دامن پر سفید موتیوں کا نفیس سا کام تھا نکال کر بیڈ پر رکھنے لگیں پھر اسے دیکھا جو منہ بسورے بیٹھی تھی۔وہ گہری سانس بھر کر رہ گئیں پھر اس کے قریب ہی بیٹھ کر نرمی سے سمجھانے لگیں۔

"سونی چندا! بہت اچھا رشتہ ہے۔لڑکے کا اپنا بزنس ہے جو اس نے خود اپنی محنت اور لگن سے پاکستان بھر اور بیرونِ ملک میں پھیلایا ہے۔سلجھے ہوئے شریف لوگ ہیں۔ بظاہر کوئی خامی نہیں ہے اس رشتے میں پھر بھی اگر تمہیں اعتراض ہوا تو کوئی زبردستی نہیں ہے مگر انکار کی کوئی معقول وجہ ہونی چاہیئے۔اس طرح بغیر دیکھے اور بغیر کچھ جانے ہی بے زاری سے منہ بنا کر تم کفرانِ نعمت مت کرو۔" وہ اسے بہت اچھی طرح سے شرمندہ کر گئیں۔اس کے تنے اعصاب فوراً سے ڈھیلے پڑے۔امی اسے سمجھا کر اور جلدی تیار ہونے کا کہہ باہر نکل گئیں۔

اس نے ایک نظر قالین پر بلا کس پھیلائے کھیلتے ہوئے شانی کو دیکھا۔اسکا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا۔پھر بھی امی کی ناراضگی کے خوف سے تیار ہونے چل دی۔

شام کو رشتے والے اسے دیکھنے آئے۔وہ پریشانی سے ڈرائینگ روم کے باہر کھڑی ہاتھ مسل رہی تھی۔پھر ایک لمبی سانس لے کر خود کو کمپوز کیا اور پر اعتماد چال چلتی کمرے میں داخل ہوئی۔سب کی نظریں اسی کی جانب اٹھیں۔دھیمی مدھر سی آواز میں سب کو مشترکہ سلام کرتی وہ آگے بڑھی۔لگ بھگ رضیہ بیگم کی عمر کی ہی ایک باوقار سی خاتون اپنی نشست سے اٹھیں اور ماشاءاللہ کہتے ہوئے اسے گلے لگا کر اس کے ماتھے پر پیار کیا۔اس قدر والہانہ استقبال اس کے اضطراب میں اضافہ کر گیا۔انہوں نے اسے اپنے ساتھ ہی بٹھالیا۔

"بہت پیاری بچی ہے۔اللہ نظر بد سے بچائے۔اگر آپ کی اجازت ہو تو رسم کر لیں۔"
ان کی بات پر وہ گھبرا کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی جو اس کی طرف نہیں امی کی طرف متوجہ تھیں۔

"کیوں نہیں۔۔۔نیک کام میں دیری کیسی؟سو بسم اللہ!"اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔وہ تو کچھ اور ہی سوچ کر آئی تھی مگر یہاں سب اس کی سوچ کے برعکس ہو رہا

تھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے رشتہ تو ازل سے پکا ہی ہو یہ تو بس تکلف کی خاطر وہ لوگ رسم کرنے آ گئے ورنہ سیدھا بارات ہی لے کر آتے۔

ان خاتون نے اپنے پرس سے ایک چھوٹی سی مخملی ڈبیا نکالی پھر اسے کھول کر اندر سے ہیرے کی ایک نازک سی انگوٹھی برآمد کر کے اس کی انگلی کی زینت بنادی۔وہ امی کو بس شکوہ کناں نظروں سے دیکھ کر رہ گئی جو اسے کمال مہارت سے نظرانداز کرتی ہوئیں سب کا منہ میٹھا کروا رہی تھیں۔

سب کچھ اتنا جلدی میں ہوا کہ اسے ارد گرد کا ہوش ہی نہ رہا اور اب جب سنبھل کر اس نے ابا کی طرف دیکھنا چاہا تو احساس ہوا کہ ایک خوش شکل سا نوجوان سفید کلف لگا شلوار کرتا پہنے چہرے پر سنجیدہ تاثرات لئے عین اس کے مقابل ہی ابا کے ساتھ براجمان تھا۔اس نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر انتہائی سرسری انداز میں اسے دیکھا اور فوراً ہی چہرہ دوبارہ جھکا لیا۔وہ دل ہی دل میں مہمانوں کے گھر سے رخصت ہوتے ہی امی سے زبردست قسم کی لڑائی کرنے کی ٹھان چکی تھی۔

مہمانوں کے ساتھ رشیدہ خالہ بھی موجود تھیں۔رسم ہو جانے کے بعد وہ تو کمرے میں آ کر بند ہو گئی تھی جبکہ مہمان رات کا کھانا کھا کر ہی گئے تھے۔رضیہ بیگم نے اس کی

حرکت پر دانت پیسے مگر بظاہر مسکراتے ہوئے اسے شرم وحیا کا نام دے دیا۔اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے ہوئے اس نے جیسے ہی مہمانوں کی گاڑی گیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھی اگلے ہی لمحے دندناتی ہوئی لاؤنج میں پہنچی۔

''یہ سب کیا تھا امی۔۔۔؟''وہ صدمے بھرے انداز میں بولی۔وہ اسے دیکھ کر سٹپٹا گئیں۔

''سونی جاؤ کھانا کھالو۔تم نے کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔''وہ اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں تنبیہ کرتی ہوئیں منظر سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگیں مگر اسے تو جیسے اس وقت کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا۔

''آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ ابھی تو وہ لوگ محض مجھے دیکھنے آرہے ہیں اور میں چاہوں تو انکار کر سکتی ہوں وغیرہ وغیرہ مگر آپ لوگوں نے تو مجھے کسی چیز کا موقع ہی نہیں دیا اور زبردستی ہی۔۔۔اور آپ نے انہیں شایان کے بارے میں بھی نہیں بتایا۔آپ کو بتانا چاہئے تھا امی!''وہ تو شروع ہی ہو چکی تھی۔امی نے لاکھ اشاروں کنایوں میں اسے منہ بند کرنے کے لئے کہا مگر یہاں پرواہ کسے تھی۔

''ہوہائے رضیہ!اس لڑکی کا دماغ تو نہیں الٹ گیا ہے۔کیا اول فول بکے جارہی ہے

یہ؟''وہ کرنٹ کھا کر رشیدہ خالہ کی جانب پلٹی جو اس کی پشت پر کھڑی تھیں۔وہ غالباً لاؤنج میں موجود واشروم سے نکلی تھیں اور یقیناً اس کی ساری باتیں سن چکی تھیں۔ اس کا تو خیال تھا کہ مہمانوں کے ساتھ یہ بھی گھر سے جا چکی ہوں گی۔اسے اب امی کی تنبیہی نظروں کا مفہوم سمجھ آیا تھا۔اس نے ڈرتے ڈرتے امی کی طرف دیکھا جو اسے ہی خونخوار نظروں سے گھور رہی تھیں۔

''اس کے کہنے کا وہ مطلب نہیں تھا۔تو چھوڑا سے یہ تو جھلّی ہے پوری۔''انہوں نے اپنی سی کوشش کی انہیں ٹالنے کی مگر وہ بھی اتنی آسانی سے ٹلنے والوں میں سے نہیں تھیں۔

''ارے اس کے دماغ میں کیا خرافات چل رہی ہیں۔اب کیا یہ اس گندگی کی پوٹلی کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتی ہے؟''بغیر کسی کا لحاظ کیے اپنی بات کہنا رشیدہ خالہ کی مشہورِ زمانہ عادت تھی مگر اس کی برداشت یہیں تک تھی۔پہلے تو نہیں پر اب ضرور اس کا دماغ الٹ گیا تھا۔

''بس کریں خالہ! شایان کو درمیان میں مت گھسیٹیں۔''اس نے ہاتھ اٹھا کر بہت ضبط سے کہا ورنہ اس معصوم سی جان کے لیے ایسا لفظ اس کا دل چیر گیا تھا۔

"کیوں نہ کہوں کچھ اسے۔پہلے تم اس گندگی کو اٹھا کر گھر لے آئیں اور اب ساتھ سسرال لے جانا چاہتی ہو۔ارے غضب خدا کا۔۔۔!پتہ نہیں کس کے گناہوں کا نتیجہ ہے یہ رضیہ جسے تیری بیٹی سینے سے لگائے۔۔۔"ابھی ان کا جملہ نامکمل ہی تھا۔جب اس نے زور سے ہاتھ مار کر کونے کی میز پر رکھا شیشے کا گلدان گرادیا جو چھناکے کی آواز کے ساتھ رشیدہ خالہ کے پیروں کے پاس زمین پر ٹوٹ

کر بکھرا۔انہیں ایک دم ہی چپ لگ گئی۔شور کی آواز سن کر رحمان صاحب بھی لاؤنج میں چلے آئے۔

"یہ میرا گھر ہے!میں جسے چاہوں یہاں لاؤں اور جسے چاہوں یہاں سے دھکے دے کر چلتا کروں۔آپ ہوتی کون ہیں اعتراض کرنے والیں یا میرے معاملات میں دخل اندازی کرنے والیں؟جب میرے والدین کو میری کسی بات سے اعتراض نہیں ہے تو مجھے بھی کسی اور کی پرواہ نہیں ہے۔"سرخ آنکھوں سے انہیں گھورتی ہوئی وہ ہر لفظ چبا چبا کر بولی تھی۔

"ایک اور بات۔۔۔شایان میرا بیٹا ہے!چاہے میں نے اسے پیدا نہ کیا ہو مگر وہ میرا ہی بیٹا ہے۔اس لئے اس کے لیے اب میں مزید ایک اور برا لفظ بھی نہیں سنوں گی۔"

رشیدہ خالہ کو تو اس کا طیش بھرا انداز دیکھ کر سکتہ ہی ہو گیا تھا۔ وہ کئی سالوں سے ان کے پڑوس میں رہ رہی تھیں۔ سونل ان کے سامنے ہی بڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے کب اسے اس انداز میں بات کرتے دیکھا تھا۔ وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں آ گئی مگر اپنے عقب میں وہ ان کے زہر خند جملے سن سکتی تھی۔

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

اس نے کاٹ میں لیٹے شایان کو گود میں اٹھایا اور ساتھ لگا کر بھینچ لیا۔ چہرہ آنسوؤں سے

بھیگ رہا تھا۔دنیا اتنی بے حِس کیوں ہے آخر؟کوئی ایک چھوٹے معصوم بچے کے بارے میں اتنے سخت بے رحم انداز میں کیسے بات کر سکتا ہے؟کیا ان لوگوں کے سینوں میں دل نہیں ہیں؟کیا یہ لوگ دیکھ نہیں سکتے کہ یہ تو بالکل بے قصور ہے؟اگر یہ اس دنیا میں ناجائز طریقے سے آیا بھی ہے تو اس میں اس کا قصور کہاں نکلتا ہے۔۔۔؟ وہ اس کے چہرے پر والہانہ پیار کرتے ہوئے بس یہی سوچ رہی تھی۔اس کے آنسو شایان کے چہرے پر گر رہے تھے جس وجہ سے وہ کسمسا کر بیدار ہو چکا تھا اور اپنی گول گول آنکھوں میں حیرت سموئے اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے فوراً چہرہ رگڑ کر آنے والے کو اجازت دی۔

حسبِ توقع ابا کمرے میں آئے اور اس کے قریب آکر کچھ بھی کہے بغیر اسے شایان سمیت گلے لگایا۔وہ ان کے سینے سے لگ کر ایک مرتبہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔شایان اسے یوں زار و قطار روتا دیکھ کر گھبرا گیا تھا اور مما مما کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ابا اسے ساتھ لگائے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"بس چپ ہو جاؤ!دیکھو شانی بھی پریشان ہو رہا ہے۔"ان کے پیار سے ٹوکنے پر وہ

شایان کو ان کی گود میں ڈالتی خود دور ہٹ کر بیٹھ گئی۔

"نیچے اتنی بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے آ گئیں اور اب بیٹھ کر رو رہی ہو پاگل!" کہتے ہوئے انہوں نے اسے پانی کا گلاس تھمایا جس سے دو گھونٹ پی کر گلاس اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"وہ شانی کے لئے اتنے سخت الفاظ استعمال کر رہی تھیں مگر آپ نے وہاں ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں کہا۔" اس نے سوں سوں کرتے ہوئے شکوہ کیا۔ وہ گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگے۔

"تم نے اپنے لئے جس راستے کا انتخاب کیا ہے اس پر چلتے ہوئے تو تمہیں نا جانے کتنی بار ایسی دشواریوں کا سامنا کرنا ہو گا اور تم پہلی بار میں ہی دل چھوڑ کر بیٹھ گئی ہو۔ خود کو مضبوط کرو اور بہادری کے ساتھ دنیا کا مقابلہ کرو۔" وہ ایک پل کو ٹھہرے۔ "اور رہی بات

میری تو میں ہمیشہ تمہارے ساتھ نہیں رہوں گا اس لئے اپنی جنگیں خود بغیر کسی کے سہارے کے اپنے بلبوتے پر لڑنا سیکھو!" انہوں نے اس کی ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اونچا کیا۔ "سمجھ رہی ہو ناں؟" اس نے بے دلی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پھر وہ اسے بہلانے کے لئے تھوڑی دیر یہاں وہاں کی باتیں کرتے رہے پھر ان دونوں کے سر پر پیار کرتے اٹھ کر چلے گئے۔ان کے جاتے ہی اس نے اپنا فون ہاتھ میں لیا جس میں کچھ دیر پہلے ہی اس نے رحمان صاحب سے نظر بچا کر اس لڑکے کا نمبر کاپی کیا تھا جو آج شام ان کے گھر آیا تھا۔اس نے ایک نظر دیوار گیر گھڑی کو دیکھا جو رات کے ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔پہلے سوچا کہ بہت رات ہو گئی ہے کل صبح بات کر لے گی مگر پھر اس خیال سے کہ کہیں کل تک دیر نہ ہو جائے اس نے کال ملا دی۔بیل جا رہی تھی اور اس کا دل زوروں سے دھڑک رہا تھا۔دوسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Articles|Books|Poetry|Interviews

"السلامُ علیکم!"بھاری مردانہ آواز میں سلام کیا گیا۔

"وعلیکم السلام!"اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔"آپ شہروز کمال بات کر رہے ہیں؟"نمبر تو اسی کا تھا مگر تصدیق کر لینے میں کوئی حرج نہ تھا۔

"جی!اور آپ؟"

"میں سونل ہوں۔۔۔سونل رحمان!آپ آج شام اپنی والدہ کے ساتھ ہمارے گھر آئے تھے۔"اس نے سنجیدگی سے اپنا تعارف کروایا۔

''مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔''

''کہیے میں سن رہا ہوں۔'' دوسری جانب وہ بھی بالکل سنجیدہ تھا۔اس نے گہرا سانس بھر کر خود کو نارمل کیا اور گویا ہوئی۔

''شاید آپ کو اس بارے میں علم نہیں ہے مگر مجھے لگتا ہے کہ آپ کو بے خبر رکھنا آپ کے ساتھ زیادتی ہو گی کیونکہ ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔آپ سوچ سمجھ کر جو چاہیں فیصلہ کریں۔دراصل میرا ایک ڈیڑھ سال کا بیٹا ہے جسے میں کسی صورت نہیں چھوڑ سکتی۔''اس انکشاف پر دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔اس خیال سے نہیں کہ رشتہ سے انکار ہو جائے گا بلکہ اس خوف سے کہ کہیں امی کو نہ خبر ہو جائے اس کاروائی کی۔چند پل گزرے تو دوسری جانب سے آواز ابھری۔

''کیا وہ آپ کا سگا بیٹا ہے؟''اس کا دل چاہا کہہ دے ہاں مگر وہ اس سے کوئی جھوٹ بولنا نہیں چاہتی تھی۔

''نہیں۔۔۔مگر وہ میرے لئے سگی اولاد کی طرح ہی ہے۔''اس نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ شایان کے بالوں میں ہاتھ پھیرا جس کی اب نیند سے دوبارہ آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

''آپ کو بس یہی کہنا تھا؟''

''جی!''

''ٹھیک ہے۔''''کیا مطلب ہے اس کا؟''

''مطلب ٹھیک ہے!''جانے کیوں اسے لگا جیسے دوسری جانب وہ مسکرایا ہو۔اس نے موبائل کو کان سے ہٹا کر گھورا پھر ضبط کرتے ہوئے تحمل سے بولی۔

''دیکھیں اگر آپ اس رشتے سے انکار کرنا چاہتے ہیں تو جلدی کیجئے گا اور پلیز کسی سے بھی میری اس فون کال کا ذکر مت کیجئے گا۔آپ انکار کی کوئی بھی وجہ پیش کر دیں میں اپنے گھر والوں کو سنبھال لوں گی۔''

''مگر میں تو انکار نہیں کرنا چاہتا۔''معصوم لہجے میں کہا گیا۔اس نے بے یقینی سے آنکھیں پھیلائیں۔اس کا خیال تھا کہ وہ شایان کے بارے میں خبر ہوتے ہی انکار کر دے گا۔

''آپ نے شاید سنا نہیں میرا ایک بیٹا ہے جسے میں کسی صورت نہیں چھوڑوں گی۔''

اس نے کچھ غصے سے دوبارہ باور کروایا۔

"میں سن چکا ہوں اور آپ سے اپنے بیٹے کو چھوڑنے کے لئے بھی نہیں کہہ رہا۔ آپ شادی کے بعد بچے کے ساتھ رخصت ہو کر میرے گھر آجایئے گا۔" وہ سادہ لہجے میں اتنی بڑی بات اتنے آرام سے کہہ گیا کہ وہ ساکت ہو گئی۔ مزید کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ دونوں طرف کچھ پل خاموشی چھائی رہی پھر وہی گویا ہوا۔

"امید ہے آپ کے جو بھی خدشات تھے وہ اب دور ہو گئے ہوں گے اس لئے سو جائیں رات بہت ہو گئی ہے۔ شب بخیر!" اور لائن کٹ گئی۔

اس نے فون کان سے ہٹا کر اسکرین کو دیکھا۔ سیاہ اسکرین پر ایک ننھا سا موتی آن گرا۔ پتا نہیں کس احساس کے تحت اسکی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ شاید وہ شایان سے الگ ہونے کے خیال سے اس قدر خوف زدہ تھی کہ اب یہ جان کر ہی کہ وہ ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھ سکتی ہے اسے رونا آگیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے گود میں لیا جو آڑھا ترچھا بیڈ پر سو چکا تھا۔ اس کا من پسند کام سونا تھا۔ وہ دن میں کئی بار سو سکتا تھا اور نیند بھی بالکل گہری۔

وہ ہر کسی سے اتنی جلدی اٹیچ نہیں ہو جاتی تھی مگر یہ تو معصوم سا بچہ تھا جسے دنیا میں آتے ہی مرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ بمشکل ایک دو دن کا ہی تو تھا جب اس کی

آغوش میں آیا تھا اور کچھ ہی دنوں میں اس سے اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ پھر کسی اور کے پاس جاتا ہی نہ تھا۔ بچے تو کتنے پیارے ہوتے ہیں۔ جو ذرا سی محبت دے اسی کے ہو جاتے ہیں پھر ان کے ساتھ کوئی اتنا بے حِس سلوک کیسے کر سکتا ہے۔۔۔؟

وہ اسی طرح اسے سینے سے لگائے لیٹ گئی اور بتی بجھا دی۔ گزشتہ کئی راتوں کے برعکس آج نیند اس پر جلد ہی مہربان ہو گئی تھی۔ شاید اس لیے کہ آج اس کا دل ایک بہت بڑی فکر سے آزاد اور مطمئن ہو گیا تھا۔

☆☆☆

لڑکے والوں کی جانب سے اگلے کچھ دنوں میں ہی شادی کی تاریخ مانگ لی گئی تھی۔ رضیہ بیگم بہت خوش جبکہ وہ اور رحمان صاحب مطمئن تھے۔ اس نے ابھی کسی سے بھی شہروز سے ہونے والی بات کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ سب بڑوں نے باہمی رضامندی سے اگلے مہینے کی سات تاریخ مقرر کر دی تھی۔ اس سارے معاملے میں وہ بالکل خاموش تھی اور جب اس سے کسی بھی شے کے بارے میں رائے لی جاتی تو وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ 'جیسا آپ کو ٹھیک لگے!' کہہ دیتی۔ رضیہ بیگم کو اس کی اتنی سعادت مندی ہضم تو نہیں ہو رہی تھی مگر یہ سوچ کر خاموش تھیں کہ کیا خبر خود ہی

عقل آ گئی ہو۔

شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔اس کی سہیلیاں اسے ساتھ لئے شہر کے تمام شاپنگ مالز اور مارکیٹس کی خاک چھان رہی تھیں۔اسے شاپنگ کا کائی خاص شوق نہ تھا اس لیے امی نے ہی اسے ان سب کے حوالے کر کے ان کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ ہر چیز اس کی پسند سے لی جائے اور وہ سب (شاپنگ کی دیوانی لڑکیاں) بھی دل و جان سے یہ ذمہ داری نبھا رہی تھیں۔بات صرف شاپنگ کی ہوتی تو وہ پھر برداشت کر لیتی مگر ان سب کی ہر وقت کی چھیڑ چھاڑ اور برجستہ زو معنی جملے کستے ہوئے ہنسی مزاق کرنے پر وہ بس ان چڑیلوں کو گھور کر رہ جاتی تھی۔

☆☆☆

اس وقت دوپہر کے تین بج رہے تھے۔شام کو گھر میں مہمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہونے والا تھا کیونکہ آج اس کی مہندی تھی اور کل بارات۔رضیہ بیگم اس کے کمرے میں بکھرا سامان سمیٹتے ہوئے گاہے بگاہے اس پر بھی نظر ڈال رہی تھیں جو ہر چیز سے بے نیاز بیڈ پر نیم دراز شایان کے ساتھ کھیل رہی تھی۔وہ بار بار اس کے چہرے پر اپنا ڈوپٹہ پھیلاتی اور پھر ایک جھٹکے سے ہٹا کر جھک کر اسے ڈراتی جس پر وہ

خوف زدہ ہونے کے بجائے زور سے ہنسنے لگتا۔وہ جو کب سے ان دونوں کا یہ کھیل ملاحظہ کر رہی تھیں آخر بول پڑیں۔

"سونو!اب اٹھو تمہیں تیار نہیں ہونا؟یہ کیا حال بنایا ہوا ہے۔"اس نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا پھر کچھ حیرت سے اپنے حلیے کو۔مایوں کے زرد جوڑے میں بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی بنائے وہ سادگی میں بھی پیاری لگ رہی تھی۔

"ٹھیک تو لگ رہی ہوں میں۔اور ابھی تیار کیسے ہو جاؤں،ابھی تو بیوٹیشن بھی نہیں آئی۔"انہیں جواب دے کر وہ دوبارہ شانی میں مگن ہو گئی۔وہ جز بز ہو کر رہ گئیں۔

"اچھا اسے تو مجھے دو۔صبح سے ہر جگہ ساتھ لئے لئے ہی پھر رہی ہو۔"

"کیوں؟"انہوں نے شایان کو بیڈ سے اٹھانا چاہا جس پر اس نے سرعت سے اس کی کہنی تھام کر اپنے قریب کھینچ لیا مگر پھر ان کے گھورنے پر گڑبڑا گئی۔

"میرا مطلب ہے کہ آپ ابھی خود مصروف ہیں۔یہ آپ کو تنگ کرے گا۔اسے ابھی رہنے دیں میرے پاس ہی۔"جلدی سے وضاحت دیتی وہ آخر میں مسکرائی مگر امی نہ مسکرائیں۔اسی طرح سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہیں۔پھر کچھ کہے بغیر اس کے پاس آ

کر بیٹھ گئیں۔

"سب کچھ جانتی ہو پھر بھی انجان بن رہی ہو۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر بات تم سے صاف لفظوں میں کہی ہی جائے۔" وہ غصے میں نہیں تھیں بس بے حد سنجیدہ تھیں۔

"مجھے سچ میں نہیں معلوم آپ کس بارے میں بات کر رہی ہیں۔" وہ نظریں چرا کر مدھم لہجے میں بولی۔ انہوں نے گہری سانس بھری۔

"کل تم یہاں سے جا رہی ہو پھر بھی اسے اپنے ساتھ ہی لگا رکھا ہے تمہیں تو چاہیئے تھا کہ بہت پہلے سے ہی اس سے تھوڑا فاصلہ قائم کر لیتیں۔ اب یہ تمہارے جانے کے بعد کیسے سنبھلے گا مجھ سے اور تمہارے ابا سے؟" وہ لب کاٹنے لگی۔ پھر یہ سوچ کر کہ شاید یہی صحیح موقع ہے گویا ہوئی۔

"مگر آپ لوگ کیوں اسے سنبھالیں گے؟"

"تو اور کون سنبھالے گا؟"

"میں!"

"تم یہاں کہاں ہو گی؟" وہ جھنجھلا گئیں۔

''تو یہ بھی تو یہاں نہیں ہو گا!''

''اس بات کا کیا مطلب ہوا بھلا؟''اب کہ انہوں نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔اس نے تھوک نگل کر ایک لمحے کے توقف سے اپنا اعتماد بحال کیا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی کل میرے ساتھ ہی یہاں سے جائے گا۔''کہتے ساتھ ہی شانی کو گود میں لے لیا۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟ کیا بکواس کر رہی ہو؟ یہ کیسے جا سکتا ہے ساتھ؟''وہ تو ہتھے سے ہی اکھڑ گئیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

''یہ سب دماغ میں چل رہا تھا اسی لئے اتنے دن سے فرمانبرداری کے مظاہرے ہو رہے تھے اور میں بے وقوف سمجھی کہ شاید عقل آ گئی ہے تمہیں۔ نہیں نہیں تمہیں تو آخری دن ہی ماں باپ کو دنیا کے سامنے زلیل کروانا ہے ناں۔ تمہارے سسرال والوں کو کیا جواب دیں گے ہم؟ان سے تو کچھ ذکر بھی نہیں کیا ہے کبھی اس حوالے سے۔

کان کھول کر بات سنو میری ایسا کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ یہ یہیں رہے گا ہمارے پاس اور تم

کل کوئی تماشہ نہیں کرو گی۔ سن بھی رہی ہو یا نہیں؟" وہ اس کی خاموشی پر کچھ اور طیش میں آئیں۔

"میرے سسرال والوں کو اس بارے میں علم ہے اور انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس نے رسان سے جواب دیا۔ وہ کچھ پل کھڑیں اسے گھورتی رہیں پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں لیکن اپنے پیچھے دروازہ زور سے بند کرنا نہ بھولیں۔

دھماکے کی آواز پر شانی سہم گیا اور اس کی گردن میں منہ چھپانے لگا۔ وہ اسے نرمی سے تھپکتے ہوئے باہر سے آنے والی آوازیں سن سکتی تھی۔ وہ اب رحمان صاحب کو سب کچھ بتاتے ہوئے سخت غصے میں باتیں بھی سنا رہی تھیں کیونکہ ان کے بقول ابا نے ہی اسے بگاڑا تھا۔

اسے کچھ اور سمجھ نہیں آیا تو جلدی سے موبائل اٹھا کر ساری صورتحال لکھ کر پیغام شہروز کے نام بھیج دیا کہ اب وہ کچھ مدد کرے۔ کچھ پل گزرنے کے بعد دوسری جانب سے پیغام دیکھ لیا گیا۔ وہ بے چینی سے اس کے جواب کا انتظار کرنے لگی مگر کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ اب باہر سے بھی آوازیں آنا بند ہو چکی تھیں۔

''بندہ کوئی جواب ہی دے دیتا ہے۔''موبائل کی اسکرین کو گھورتے ہوئے اس کا دل خراب ہوا۔اس دن شہروز سے بات کر کے دل کو جو اطمینان ہوا تھا آج شادی سے ایک دن پہلے رخصت ہونے لگا۔

''مجھے اس کی بات کا یقین کرنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔ہو سکتا ہے اس نے اپنے گھر پر شایان کے بارے میں ذکر ہی نہ کیا ہو۔صرف مجھے وقتی طور پر بہلانے کے لیے فون پر وہ سب کچھ کہا ہو۔اف سونل! تم کیوں آ گئی اس اجنبی شخص کی باتوں میں۔۔۔اب پتا نہیں کیا ہو گا؟''وہ پچھتانے لگی تھی۔کچھ دیر مزید گزری تو وہ موبائل ایک طرف رکھتی شہروز کو جہنم واصل کرتی کمرے سے نکل آئی۔

ڈرتے ڈرتے اپنے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے وہ لاؤنج تک آئی جہاں رحمان صاحب حسبِ توقع تنہا بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے اور امی یقیناً اپنے کمرے میں بند تھیں۔سالوں سے ان کا ہر جھگڑے کے بعد یہی معمول تھا۔وہ ابا کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور شایان کو ان کی گود میں ڈال دیا۔وہ ان کے پاس آتے ہی اچھلتے اور قلقاریاں مارتے ہوئے ان کی ڈاڑھی سے کھیلنے لگا۔وہ بھی مسکراتے ہوئے اسے پیار کرنے لگے مگر اس کی جانب غلطی سے بھی نہیں دیکھا۔

''ابا!'' دھیمی آواز میں پکارا مگر جواب ندارد۔

''ابا۔۔۔!'' لفظ کو کھینچ کر ادا کرتے ہوئے ان کے کرتے کی آستین بھی کھینچی۔ ''مجھ سے بات تو کریں۔''

''تم نے کی تھی مجھ سے بات؟'' سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''آپ سے بات کی تو تھی مگر آپ مجھے ہی سمجھا کر چلے گئے۔'' وہ شکایتی انداز میں بولی۔

''تمہیں مجھ پر بھروسہ ہی نہیں تھا اس لئے میرے فون سے شہروز کا نمبر چرا کر اسی دن اس سے خود بات کر لی تم نے۔'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''آپ کو کیسے پتا؟''

''میں باپ ہوں تمہارا!'' انہوں نے مصنوئی رعب سے کہا۔

''یہ بات میں ہمیشہ سے جانتی ہوں۔ جو پوچھ رہی ہوں وہ بتائیں ناں۔'' وہ کچھ جھنجھلا کر بولی۔ ابا اسے گھور کر رہ گئے۔

''میں نے اگلے دن جب اسے شانی کے متعلق بات کرنے کے لئے فون کیا تب اسی نے

بتایا کہ آپ کی صاحبزادی صاحبہ اور میرے درمیان کل رات ہی سارے معاملات طے پا گئے ہیں اس لئے جس طرح انہیں یقین دلایا ہے اسی طرح آپ کو بھی اطمینان رکھنے کے لئے ہی کہوں گا۔مجھے آپ کی بیٹی ہمارے بیٹے کے ساتھ قبول ہے سر۔"وہ خاموش ہو گئی۔بہت سی شرمندگی نے آن گھیرا۔وہ تو اب تک یہی سوچے ہوئے تھی کہ ابا نے اس بار اس کے لئے کچھ نہیں کیا نہ ہی اس کا ساتھ دیا۔اس کے جھکے سر کو دیکھ کر وہ نرمی سے

بولے۔

"اگر وہ تمہاری بات نہ مانتا اور تم اس رشتے کے لئے انکار کر دیتیں تو میں تمہارا ہی ساتھ دیتا۔انگوٹھی ہی پہنائی تھی ناں کوئی نکاح تو نہیں پڑھا دیا تھا۔"اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔سر ک کر ان کے قریب ہوئی اور ان کے شانے پر سر ٹکا دیا۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا آپ نے؟"

"کیونکہ تم نے بھی نہیں بتایا۔"اسی کے انداز میں جواب آیا۔

"مجھے تو کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا۔"

''تمہیں سب سمجھ آتا ہے بی بی۔ تم بس ہر وقت میری بیوی کو میرے خلاف کرنے کی کوششیں کرتی ہو۔ جلتی ہو ہماری محبت سے۔''ان کی بات سے زیادہ ان کے انداز پر وہ ہنس پڑی۔

''اچھا تو پھر اپنی بیوی کو بتا دیتے ناں پہلے ہی۔''سر اٹھا کر وہ مسکراہٹ دبائے بولی۔

''اپنے کام سے کام رکھو تم۔ ہمارے معاملات میں مت بولو۔''اسے جھڑک دیا گیا۔

''بھئی کیا ہے؟''وہ احتجاجاً چلائی۔

''وہی جو تمہیں ہے۔''

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

''مجھے تو ان سے ڈر لگ رہا تھا۔''

''اور مجھے بھی۔۔۔!''بے چارگی بھرے انداز پر وہ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اچھا ابھی کیا ہوا یہاں؟ اتنی پر سکون خاموشی کیسے چھا گئی؟ کچھ دیر پہلے تک تو خطرناک گولہ باری ہو رہی تھی۔''وہ اچانک یاد آنے پر پوچھنے لگی۔

''یہ تو آپ ہی بتائیے محترمہ کہ کیا ہوا اور کیسے ہوا۔''ابا نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے گھورا۔

''کیوں؟ کیا ہوا ہے؟'' وہ گڑبڑا گئی۔

''شہروز کی امی کا ابھی فون آیا تھا۔ حال چال پوچھنے کے فوراً بعد ہی انہوں نے شایان کا ذکر چھیڑ دیا اور اپنی اور اپنے بیٹے کی رضامندی کے بارے میں بتانے لگیں کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اب یا تو ان لوگوں نے ہمارے گھر میں سی سی ٹی وی کیمرے فٹ کیے ہوئے ہیں یا پھر ان ماں بیٹے کو الہام ہوتے ہیں۔'' وہ طنزیہ انداز میں کہتے ابھی بھی اسے ہی گھور رہے تھے۔ وہ ایک مرتبہ پھر دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اس کے بارے میں پتا نہیں کیا کچھ سوچ کر بدگمان ہو چکی تھی جبکہ اس نے تو فوراً ہی بہت سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔

اتنے میں بیوٹیشن کی آمد ہوئی تو وہ اسے لئے کمرے میں آ گئی۔ گھر میں مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔ کچھ دیر بعد اسے بھی چھت پر لے جایا گیا جہاں سارے انتظامات کیے گئے تھی اور پھر کتنی ہی دیر تک مہندی کی رسم چلتی رہی۔ وہ سب کے درمیان میں بیٹھ کر اب اکتانے لگی تھی۔ کچھ شایان کا مسلسل نظروں سے اوجھل رہنا بھی اب پریشان کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے اپنی ایک سہیلی کو اسے دیکھنے بھیجا تھا مگر اب وہ خود

غائب ہو گئی تھی۔کچھ دیر بعد اس کا صبر جواب دے گیا اور وہ تھکن کا بہانہ بناتی اٹھی اور زینے اتر کر نیچے اپنے کمرے میں آ گئی۔

شایان کو یہاں نہ پا کر وہ پلٹ کر جانے کو تھی جب اسے اس کے رونے کی آواز آئی۔وہ پلٹی اور تیز قدموں سے چلتی پلنگ کی دوسری جانب آئی اور دیکھا۔وہ زمین پر اوندھے منہ پڑا سسک رہا تھا بہت مدھم آواز میں جیسے اب رو رو کر گلا ہی بیٹھ گیا ہو۔اس کے سر کے قریب سے زمین پر خون کی دھاڑ بہہ رہی تھی۔اس کے دل کو کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا جیسے۔فوراً جھک کر اسے اٹھایا اور سیدھا کیا۔پیشانی پر لگا گہرا زخم،اس سے رستا خون،اس کا زرد چہرہ اور نیم وا آنکھیں۔اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں۔شدید تکلیف ہوئی تھی اسے اس حال میں دیکھ کر۔وہ نیم بے ہوشی میں بھی اس کا لمس پہچان گیا تھا اور اس کا ڈوپٹہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی مٹھیوں میں دبوچ رہا تھا جیسے اس کے پھر سے چھوڑ جانے کا خوف ہو۔

اس نے شایان کے ماتھے پر لگے زخم پر سختی سے ہتھیلی جمائی اور کمرے سے باہر بھاگی۔اسے یوں اندھا دھند بھاگتے دیکھ کر زینے اترتیں رضیہ بیگم اور ان کے ساتھ دوسری کئی خواتین حیران ہوئیں۔وہ فوراً آگے بڑھیں مگر شایان کے چہرے،اس کے

ہاتھوں اور ڈوپٹے پر لگے خون کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھیلیں۔

"یہ کیسے ہوا؟" انہوں نے از حد پریشانی سے پوچھا مگر وہ کسی کی بھی جانب دیکھے بنا اسی رفتار سے آگے بڑھ گئی۔

"ابھی وقت نہیں ہے سوال جواب کا۔" بغیر پلٹے کہتی وہ دروازہ عبور کر گئی۔انہوں نے اس کے پیچھے ان کے محلّے کے ہی ایک چھوٹے لڑکے کو بھیجا۔وہ اسے لئے پاس کے ہی ایک کلینک آئی اور جلدی سے فرسٹ ایڈ دلوایا۔ڈاکٹر کے مطابق زخم گہرا تھا اور بہت احتیاط کی ضرورت تھی۔اس نے اسے گود میں لیا۔ابھی کچھ گھنٹے پہلے ہی تو وہ اچھا بھلا اس کے ساتھ کھیل رہا تھا اور قلقاریاں مار رہا تھا اور اب بالکل مرجھا سا گیا تھا۔گلابی بھرے بھرے گال بھی زرد پڑ گئے تھے۔واپسی کا راستہ وہ تو بالکل خاموش تھی البتہ عمر (جسے امی نے اس کے پیچھے بھیجا تھا) مسلسل شایان کو ہنسانے اور بہلانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ بھی کچھ حد تک بہل گیا تھا۔

وہ جیسے ہی ڈرائینگ روم کے دروازے کے پاس سے گزر کر اپنے کمرے کی سمت جانے لگی اس کے قدم زنجیر ہوئے۔دروازے کا ایک پٹ کھلا تھا اور وہ باہر کھڑی اندر سے آنے والی اپنی پھوپھیوں، ممانیوں اور دیگر خواتین کی آوازیں سننے لگی۔

"ہائے رضیہ! یہ سونی کو کیا ہو گیا ہے؟ کیسے دیوانوں کی طرح بھاگی ہے بچے کو لے کر۔"

"اپنے دلہن ہونے کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ مایوں بیٹھی ہوئی لڑکی کو گھر سے نہیں نکلنا چاہیئے۔ بہت بُرا سمجھا جاتا ہے۔"

"ارے بھئی میری سمجھ میں تو یہ نہیں آتا کہ ایک پرائے بچے کے لئے وہ کیوں اتنا خوار ہو رہی ہے اور تم لوگ بھی ہونے دے رہے ہو۔ یہ نہیں کرتے کہ کسی یتیم خانے بھجوا دو۔"

"ہاں اور کیا۔۔۔ اس گندی نالی کے کیڑے کو سینے سے لگایا ہوا ہے۔ اللہ جانے کس کے گناہوں کی۔۔۔" کب سے آتی

مختلف آوازوں کے بعد یہ آخری آواز رشیدہ خالہ کی تھی۔

اس سے ضبط کا دامن چھوٹ گیا۔ دھاڑ سے دروازہ پورا کھولتی وہ اندر داخل ہوئی اور طیش بھری سخت نظروں سے ان تمام نفوس کو گھورا جو اس کے یوں اچانک داخل ہونے پر گڑبڑا کر خاموش ہو گئے تھے۔

سب سے پہلے سلگتی نظریں رمشہ (وہی دوست جسے اس نے شایان کو دیکھنے بھیجا تھا اور پھر وہ خود غائب ہو گئی تھی) پر مرکوز کیں جس نے اس کے دیکھتے ہی مسکین سیشکل بنا لی۔

"وہ سونو دراصل میں شانی کو دیکھنے ہی گئی تھ۔۔۔"

"اسے میرے کمرے میں لے جاؤ اور جب تک میں نہ آؤں وہیں بیٹھی رہنا۔اس کے پاس سے ہلنا مت!" خطرناک حد تک سنجیدہ لہجے میں وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔رمشہ نے بنا کچھ کہے اسکی گود سے شایان کو لیا جو دواؤں کے زیرِ اثر سو گیا تھا اور کمرے سے نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی وہ ان لوگوں کی جانب گھومی مگر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی رضیہ بیگم اس کے پاس آئیں اور نامحسوس انداز میں اس کا بازو تھام کر نظروں ہی نظروں میں جیسے خاموش رہنے کی التجا کی۔وہ سمجھ گئی تھیں کہ سونل سب سن چکی ہے۔اس نے لب بھینچے اور اپنا بازو چھڑوایا۔جب بولی تو آواز دھیمی مگر بے حد سرد اور لہجہ وارننگ دیتا ہوا تھا۔

"شایان میرا بیٹا ہے اور اب اگر میرے بیٹے کے حوالے سے کسی نے ایک اور بُرا لفظ

بھی منہ سے نکالا تو اپنے انجام کا ذمہ دار وہ خود ہو گا۔" نظریں چاروں سمت گھومتی ہوئیں آخر میں رشیدہ خالہ پر آکر رکیں۔ "اور میں بار بار اپنی بات نہیں دہراتی۔"

پلٹ کر دروازے سے نکلتے ہوئے بولی۔ "امی آکر ذرا میری بات سنیں!"

پھر امی ابا کے کمرے میں جا کر امی سے شکوہ کیا۔ انہوں نے ہی شایان کو اس سے لے کر کہا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ ہی رکھیں گی۔ کچھ دیر تو وہ اسے واقعی ساتھ لئے پھرتی رہیں پھر سب کی نظروں اور سرگوشیوں کی وجہ سے وہ اسے سونل کے کمرے میں چھوڑ آئیں۔ بیڈ پر اسے ڈال کر آس پاس تکیے بھی رکھ آئی تھیں تاکہ وہ گر نہ جائے مگر وہ تو اب چلنا تک سیکھ رہا تھا۔ آرام سے تکیے پر سے پھلانگتے ہوئے بیڈ سے نیچے کودنے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں منہ کے بل گرا۔

رضیہ بیگم اب خود بہت شرمندہ ہو رہی تھیں۔ یہ سراسر ان کی غیر ذمہ داری کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ ان سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا شایان ان کا سگا نواسہ ہوتا تب بھی وہ اس طرح اسے تنہا کمرے میں چھوڑ جاتیں؟ مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ انہیں مزید شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا تھا۔

☆☆☆

بیٹیوں کو رخصت کرنا کس قدر مشکل عمل ہے یہ کوئی ان کے والدین سے پوچھے! بہت دل گردے کا کام ہے اپنے آنگن کا کھلتا مہکتا پھول کسی اور کے حوالے کرنا۔ رخصتی کے وقت وہ اور امی ایک دوسرے سے لپٹ کر خوب روئی تھیں۔ آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لے

رہے تھے۔ رحمان صاحب کے سینے سے لگ کر بھی وہ روتی رہی تھی۔ ان کی اپنی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ یہ بیٹیاں اتنی جلدی بڑی کیوں ہو جاتی ہیں؟ انہوں نے ہی اسے الگ کر کے اس کے آنسو صاف کیے اور پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کاندھوں پر بازو پھیلائے اسے گاڑی تک لائے تھے جہاں شہروز کھڑا تھا۔ انہوں نے اسے بھی گلے لگایا اور شانے پر ہاتھ رکھ کر ان کی بیٹی کا بہت خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔ جس پر اس نے ہر بار کی طرح سعادت مندی سے سر ہلاتے ہوئے وعدہ کیا تھا۔

شہروز نے اس کے لئے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ بیٹھنے سے پہلے ایک بار پھر پلٹی، ابا کو دیکھا اور بے ساختہ ان کے ساتھ لگ گئی۔ اس کا ان سے باپ بیٹی والا رشتہ تو کبھی رہا ہی نہیں تھا۔ وہ اسکے لئے ہمیشہ سے ایک دوست اور رازدار کی طرح تھے۔ وہ کیسے رہے گی اب ان کے بغیر؟ شمائلہ بیگم (شہروز کی امی) سمیت سبھی خواتین کی آنکھیں

بھر اگئی تھیں۔ بالآخر انہوں نے ہی آگے بڑھ کر اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے حوصلہ دیا اور گاڑی میں بٹھایا۔ رحمان صاحب کی بھی تسلّی کروائی کہ وہ اپنے ہی گھر جا رہی ہے۔ اور اس طرح بارات دلہن کو ساتھ لئے لوٹ گئی۔

سسرال میں نئی بہو کا بڑا پُر تپاک استقبال کیا گیا۔ کئی رسمیں بھی ہوئیں۔ اس دوران شایان شمائلہ بیگم کی گود میں تھا اور بہت انجوائے بھی کر رہا تھا۔ شہروز کی کزنیں اس سے نیگ لینے کے لئے زبردست بحث کر رہی تھیں مگر اس نے بھی آج ان سب کو زچ کر دینے کی جیسے قسم کھائی ہوئی تھی۔

"اللہ۔۔۔ شہروز بھائی! کتنے کنجوس ہیں آپ۔ پیسے ہی نہیں نکلتے آپ کی جیب سے۔ بھابھی کا تو اب اللہ ہی حافظ ہے۔" انہی میں سے ایک کزن نے جل کر کہا تھا جواب بیزار ہو گئی تھی۔ سب کا مشترکہ قہقہہ گونجا تھا پھر وہ شمائلہ بیگم کے سر ہو گئیں کہ شاید یہیں ان کی دال گل جائے اور ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے اس سے پیسے نکلوا کر سب لڑکیوں میں تقسیم کیے جنہوں نے خوشی سے نعرے لگائے۔

اس دوران وہیں ایک طرف رشیدہ خالہ بھی بیٹھی تھیں (انہوں نے چونکہ یہ رشتہ کروایا تھا اس لئے دونوں جانب سے ہی انہیں مدعو کیا گیا تھا اور وہ شمائلہ بیگم کی اچھی

دوست بھی تھیں)جو مسلسل چہرے کے بگڑے زاویوں کے ساتھ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ نظریں ساتھ بیٹھے شہروز اور سونل سے ہوتی ہوئیں شمائلہ بیگم کی گود میں بیٹھے شایان پر جاتیں تو ماتھے پر خود بخود بل پڑ جاتے۔

وہ اور کسی معاملے میں اتنی بُری نہیں تھیں بس ان کے لئے ذات خاندان نسل یہ ساری چیزیں بہت معنی رکھتی تھیں اور ایسے بچے کو اپنا سمجھ کر پیار کرنا جس کے والدین اور خاندان کا کچھ علم ہی نہ ہو انہیں بالکل پسند نہیں آرہا تھا۔ پھر اسی بچے کی وجہ سے سونل اور ان کے درمیان تلخ کلامی بھی ہوئی تھی جس نے ان کی ناپسندیدگی میں اضافہ کیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کچھ دیر اور گزری تو شہروز کی تائی اماں نے سب کو وقت کا احساس دلایا جو بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ دلہن کے آرام کے خیال سے شمائلہ بیگم نے رباب (ان کی بھانجی) کو اسے کمرے میں لے جانے کے لئے کہا۔ اس نے شکر کا سانس لیا کیونکہ پچھلے اتنے گھنٹوں سے بھاری لہنگے اور زیورات میں مسلسل بیٹھ بیٹھ کر اب اسکا پورا جسم جواب دے گیا تھا۔ رباب نے اسے اٹھنے میں مدد دی اور اس کا لہنگا سنبھالتے ہوئے اس کے ساتھ ہال سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے نکلتے ہی تقریباً سب ہی اٹھ کر

جانے لگے

اور جن لوگوں نے یہیں رکنا تھا وہ اٹھ کر اپنے کمروں کی طرف چل دیے تاکہ کچھ گھنٹے آرام کر لیں کیونکہ کل ولیمہ تھا اس لئے کل کا دن بھی مصروف گزرنے والا تھا۔

سیڑھیاں چڑھ کر وہ جیسے ہی بائیں طرف مڑی اس کے پیر میں مقید سینڈل کی ہیل ٹوٹ گئی اور جھٹکے سے پیر مڑنے کے باعث شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ رباب بوکھلا کر اسے دیکھنے لگی جو وہیں فرش پر بیٹھ کر کراہ رہی تھی۔

''بھابھی کیا ہوا آپ کو؟'' پریشانی سے پوچھا۔

''ہیل ٹوٹ گئی ہے۔ بہت درد ہو رہا ہے۔''

''اچھا آپ پلیز اٹھنے کی کوشش کریں۔ بس یہیں ہے شہروز بھائی کا کمرہ۔ بیڈ پر بیٹھ جائیں چل کر۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں مجھ سے نہیں اٹھا جا رہا۔'' تکلیف کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ رباب بے چاری کی اپنی حالت اسے دیکھ کر رونے والی ہو گئی تھی۔

''اچھا آپ یہیں رکیں میں کسی کو لے کر آتی ہوں۔'' وہ تیزی سے دوبارہ نیچے کی سمت

بھاگی۔ٹپ ٹپ کرتے کئی آنسو اس کی آنکھوں سے گر چکے تھے۔وہ اپنے پیر کو حرکت بھی نہیں دے پا رہی تھی۔

"ایسے بات مت کرو رشیدہ، ہمیں کسی بات کے بارے میں جب تک مکمل علم نہ ہو تب تک بات نہیں کرنی چاہئے اور بالفرض ایسا ہے بھی تو اس میں معصوم بچے کا کیا قصور ہے؟"

اس نے شیشے کی ریلنگ کے پار دیکھا تو نیچے شائلہ بیگم اور رشیدہ خالہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑی تھیں اور رخ دروازے کی سمت تھا۔اتنی تکلیف میں وہ کبھی ان کی بات پر دیہان نہ دیتی مگر آخری بات پر اسے ایسا لگا جیسے یہ شایان کے متعلق کی گئی ہو۔

"میں کب کہہ رہی ہوں کہ اس کا کوئی قصور ہے۔مگر تم خود سوچو تمہارا ایک ہی بیٹا ہے اور ماشاءاللہ اب تو شادی بھی ہو گئی ہے اس کی۔اللہ نے چاہا تو اولاد بھی ہو جائے گی پھر اسے ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔کیوں کسی کے گندے خون کو اپنے خاندان کا حصہ بنانا ہے؟اسے کسی یتیم خانے میں چھوڑ آؤ۔"

اس نے لب بھینچ لئے۔آنکھیں غصہ ضبط کرنے سے سرخ ہو گئیں۔یہ کبھی نہیں سدھر سکتی تھیں!انہیں ایک ڈیڑھ سال کے بے ضرر بچے سے جانے کیا پرخاش تھی

جو وہ بار بار اس کے لئے ایسی باتیں کرتی تھیں۔ وہ انہیں کیا کہتا تھا بلکہ کسی کو بھی کیا تکلیف دیتا تھا؟

"اماں! چلیں ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" دروازے پر کھڑا ان کا بیٹا انہیں ٹوکے بغیر نہ رہ سکا تھا کیونکہ وہ شائلہ بیگم کے چہرے پر پھیلی ناگواری دیکھ چکا تھا۔

اسی وقت شہروز وہاں آیا جس کی انگلی تھامے شایان بھی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے بالکل سپاٹ اور بے تاثر چہرے سے وہ اندازہ نہیں لگا پائی کہ اس نے کچھ سنا ہے یا نہیں۔

"تم کون ہو؟" دروازے پر کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ واضح چونک گیا تھا۔

"بیٹا ہے میرا!" نخوت بھرے لہجے میں جواب رشیدہ خالہ کی جانب سے آیا تھا۔ شہروز چند پل اسے اسی طرح دیکھتا رہا پھر ایک ہلکی سی استہزائیہ مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا۔

"اوہ! کیسے ہو فرید؟" وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں مگر معذرت میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" وہ اس کی اس اچانک بے تکلفی

اور اپنا نام پکارے جانے پر نا سمجھی سے بولا۔

"جان پہچان کو فی الحال رہنے دو۔" وہ اب رشیدہ خالہ کی جانب پلٹا۔

"آنٹی مجھے لگتا ہے کہ آپ میرے بیٹے کے حوالے سے بہت تشویش اور پریشانی کا شکار ہیں۔ایسا ہی ہے نا؟" وہ بہت سادہ انداز میں ان سے مخاطب تھا۔

"آپ ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ آپ کے جو بھی سوال ہیں وہ اپنے بیٹے سے کر لیں۔" اس کے یکدم فرید کی جانب اشارہ کرنے پر اس کے گرد کھڑے تینوں نفوس اپنی جگہ ساکت رہ گئے مگر ایک وجود اور بھی تھا جو وہیں پتھر بن گیا تھا۔آنسو ٹھٹھر کر تھم گئے تھے۔یہ سب کیا ہو رہا تھا آخر۔۔۔؟

سب سے پہلے رشیدہ خالہ ہوش میں آئیں اور غضبناک تیور لئے آگے بڑھیں۔"یہ کیا بکواس ہے لڑکے؟ زبان سنبھال کر بات کرو۔بھلا میرے بیٹے کا کیا تعلق ہے تمہارے اس گندگی کے۔۔۔" وہ کینہ توڑ نظروں سے شایان کو گھورتے ہوئے کہہ رہی تھیں جو سہم کر شہروز کی ٹانگوں سے لپٹ رہا تھا۔

"بس!" اس نے سختی سے انہیں مزید کچھ بھی کہنے سے باز رکھا تھا۔"آپ کے جو بھی

سوال ہیں وہ اپنے بیٹے سے کر لیں۔امید ہے یہ آپ کو تسلّی بخش جواب دے گا۔"اس نے چبا چبا کر ہر لفظ ادا کیا تھا۔

"اب آپ دونوں یہاں سے تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

رشیدہ خالہ ہکا بکا انداز میں اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں مگر ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرید آگے بڑھا اور ان کا بازو تھام کر انہیں ساتھ لے جانے لگا۔اس کا چہرہ خطرناک حد

تک سنجیدہ تھا۔اس نے پل بھر کے لئے بھی شہروز کی سرد نظروں میں نہیں دیکھا تھا۔ شاید ہمت ہی نہیں تھی۔ سر جھکائے انہیں ساتھ لئے وہ باہر نکل گیا جبکہ وہ ارے ارے ہی کرتی رہ گئیں۔

ان کے نکلتے ہی شائلہ بیگم نے اس کا شانہ تھپکا جیسے وہ اس کے بنا کہے ہی سب سمجھ چکی ہوں۔ شہروز نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا اور غیر ارادی طور پر اوپر کی جانب دیکھا تو مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

وہ فرش پر بیٹھی ایک ہاتھ شیشے کی ریلنگ پر رکھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔اگلے ہی پل وہ بھاگ کر سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اس تک پہنچا اور اس کے سامنے دوزانو بیٹھا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" نہایت تشویش سے کہتے ہوئے اس نے جیسے ہی اس کا ہاتھ تھامنا چاہا سونل نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ

جھٹک دیا۔

"ہاتھ مت لگانا مجھے!" بائیں ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے سختی سے تنبیہ

کی تھی۔

"یااللہ خیر! کیا ہو گیا ہے بچی کو؟ایک تو اس گھٹنوں کے درد نے جان عذاب کی ہوئی ہے۔"شمائلہ بیگم بمشکل سیڑھیاں چڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

"پیر میں موچ آگئی ہے شاید۔۔۔آپ رہنے دیں اوپر مت آئیں۔میں دیکھ لیتا ہوں۔"انہیں جواب دے کر شہروز نے اسے دیکھا جو سخت نظروں سے اسی کی سمت دیکھ رہی تھی اور پھر آگے بڑھ کر بغیر اس کے احتجاج کو خاطر میں لاتا وہ اسے بازوؤں میں بھرے اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔وہ شدید مزاحمت کر کر رہی تھی مگر اس پر تو جیسے کسی بات کا اثر ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"صبر میں کسی کو بھیجتی ہوں برف لے کر۔درد کی جگہ پر لگاؤ آرام آجائے گا۔ارے رباب نوری کہاں ہو سب۔۔۔؟"وہ اسے ہدایتیں دیتیں آخر میں اپنی بھانجیوں کو آوازیں دینے لگیں۔

وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اسے لئے کمرے میں داخل ہو گیا۔اسے بیڈ پر بٹھا کر خود اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے اس کے پیر کا معائنہ کرنا چاہا جب ایک مرتبہ پھر وہ اس کا ہاتھ بُری طرح جھٹک چکی تھی۔

"میں نے کہا ناں ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔" وہ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی جس کے چہرے پر پریشانی رقم تھی۔

دروازے پر دستک دے کر رُباب برف اور درد پر لگانے کی کریم پکڑے اندر داخل ہوئی۔ شہروز نے اس سے دونوں چیزیں لے کر اسے جانے کا اشارہ کیا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا رُباب کے سامنے کوئی بات ہو۔ وہ ایک نظر سونل پر ڈال کر ناچاہتے ہوئے بھی باہر نکل گئی۔

"سونل مجھے دیکھنے دو کہیں کوئی گہری چوٹ۔۔۔" اس نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کا پیر آگے کرنا چاہا جسے وہ ہاتھ بھی لگانے نہیں دے رہی تھی۔

"کون ہو تم۔۔۔ہاں؟ کون ہو اور کس مقصد کے تحت شادی کی ہے مجھ سے بتاؤ؟" وہ اس کی بات کاٹ کر تیز لہجے میں استفسار کر رہی تھی۔

"مقصد؟ میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔" وہ جھنجھلا گیا تھا مگر اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔

"میں بالکل ٹھیک سمجھ رہی ہوں۔ تم نے کسی مقصد کے تحت ہی یہ سب کچھ کیا ہے اور

اگر میں غلط ہوں تو پھر تم ابھی نیچے ان لوگوں سے کیا کہہ رہے تھے۔ تم نے یہ کیوں کہا کہ جو بھی سوال ہوں وہ فرید سے کریں اور تم شایان کے بارے میں کیسے۔۔۔" وہ بولتے بولتے چونک گئی۔

"شایان۔۔۔! شایان کہاں ہے؟ میرا بیٹا کہاں ہے؟" وہ سب کچھ بھول کر بیڈ سے اٹھنے لگی مگر بروقت شہروز نے اسے کندھوں سے تھام کر اٹھنے سے باز رکھا۔

"وہ نیچے ہے امی کے پاس۔ تمہارے پیر میں تکلیف ہے کیا کر رہی ہو؟"

"مجھے میرا بیٹا چاہیئے۔ اسے لے کر آؤ میرے پاس!" وہ خود کو آزاد کرواتے ہوئے غصے سے بولی۔

"تم مجھے یہ دوا لگانے دو پلیز۔ شایان بالکل ٹھیک ہے اور امی کے پاس ہے۔ کیا مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟" وہ جیسے تھک گیا تھا اسے سمجھاتے ہوئے جو کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"نہیں ہے اعتبار۔۔۔ ایک فیصد بھی نہیں ہے! سن لیا؟ اب لے کر آؤ میرے بیٹے کو ورنہ میں تمہارا حشر کر دوں گی۔" اسے گھورتے ہوئے وہ بے لچک انداز میں بولی۔

شہروز نے لب بھینچ لئے۔وہ شاید اتنے دوٹوک جواب کی امید نہیں کر رہا تھا۔خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔چند منٹ گزرے جب وہ شایان کے ہمراہ کمرے میں دوبارہ داخل ہوا۔اسے سونل کی گود میں ڈال دیا جس کی اسے صحیح سلامت اپنے پاس دیکھ کر جیسے جان میں جان آگئی تھی۔اس نے زور سے اسے باہوں میں بھینچ لیا۔کچھ لمحوں کے لئے اپنے ارد گرد سے یکسر بے نیاز ہو کر وہ اسے پیار کر رہی تھی۔شایان نے کسمساتے ہوئے اس کے ٹخنے پر پیر رکھ دیا جس سے بے ساختہ اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکل گئی۔

"اب اگر تسلّی ہو گئی ہو تو اپنا پیر آگے کر دیں محترمہ تاکہ میں بھی اپنی تسلّی کر سکوں۔"

وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی جو سنجیدہ تاثرات لئے اس کے مقابل بیٹھا تھا۔

تھوڑی دیر پہلے والی بپھری ہوئی کیفیت اب شایان کو اپنی آغوش میں پا کر ختم ہو گئی تھی مگر پوری طرح مطمئن وہ اب بھی نہیں ہوئی تھی۔

"پہلے آپ مجھے میرے سب سوالوں کے سچ سچ جواب دیں اس کے بعد ہی میری تسلّی ہو سکتی ہے۔"اس کے جواب پر شہروز نے گہرا سانس بھر کر اس کا چہرہ دیکھا جو آنکھیں سکیڑے مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اوکے! میں سب بتاتا ہوں۔" اس نے جیسے ہتھیار ڈال دیے۔

بڑے ہی نامحسوس انداز میں برف ہاتھ میں لئے اس کا پیر آگے کیا اور ٹخنے پر مساج کرنے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ کہہ رہا تھا۔

"لگ بھگ ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے جب میں ایک بزنس میٹنگ اٹینڈ کرنے اسلام آباد میں موجود تھا اور تب۔۔۔"

☆☆☆

ڈیڑھ برس قبل:

یہ ایکسپریس وے اسلام آباد کا منظر تھا جہاں اس وقت شدید ٹریفک جام تھا۔ بیک وقت مختلف قسم کی ہارن کی آوازوں نے سر میں درد کر دیا تھا۔ اس نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر راستہ بلاک ہونے کی وجہ جاننی چاہی مگر گاڑیوں کے اس رش میں وہ کچھ دیکھ ہی نہ پایا۔ اکتا کر سر سیٹ کی پشت سے لگا کر بیٹھ گیا اور ایک ہاتھ سے پیشانی مسلنے لگا۔ اسی وقت اس کے بالکل قریب کھڑی گاڑی سے تیز ہارن کی آواز ابھری۔ اس نے بھنا کر اپنے دائیں جانب کھڑی گاڑی کی طرف دیکھا۔ ایک تو پہلے ہی سر درد سے پھٹا جا

رہا تھا اوپر

سے یہ۔۔۔

"جب دکھ رہا ہے کہ ٹریفک جام ہے تو بار بار ہارن بجانے کا کیا مقصد ہے؟" کڑے تیوروں کے ساتھ وہ گاڑی میں بیٹھے اٹھارہ انیس سالہ لڑکے سے مخاطب تھا جس نے اس کے غصے پر بتیسی دکھا کر اسٹیئرنگ سے ہاتھ کھڑے کر دیے تھے اور پھر شرافت سے اسی کی طرح سیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ سر جھٹک کر اپنی سابقہ پوزیشن میں آیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شاید کسی تحریک کے کارکن وہاں آگے بیٹھے دھرنا دے رہے تھے جس وجہ سے راستہ بند تھا۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ اسے ضروری میٹنگ میں جانا تھا مگر اب کیا ہو سکتا تھا اسی لئے آنکھیں موندے پڑا تھا جب اچانک ہی گاڑیوں کی آواز پر وہ سیدھا ہوا۔ ٹریفک بحال ہو گیا تھا۔ ایک کے بعد ایک گاڑیوں کی قطار آگے بڑھ رہی تھی۔

اس نے بھی گاڑی اسٹارٹ کی مگر اپنے سامنے سڑک کا منظر دیکھ کر اس کے ہاتھ تھمے اور ماتھے پر لکیریں ابھریں۔ کب سے رکے ہوئے ٹریفک کے اچانک بحال ہونے پر ایک درمیانی جسامت کے بھورے رنگ کا کتے کی ٹانگ ایک گاڑی کے نیچے آجانے

کے باعث بُری طرح زخمی ہو چکی تھی۔اس کی آنکھوں میں ہمدردی ابھری۔ایک سیکنڈ کے لئے سوچا کہ کسی طرح جا کر اس کی مدد کرے مگر پھر ارد گرد موجود رش اور اپنے عقب سے آتی ہارن کی آوازوں نے اسے ارادہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔وہ کتا اب بمشکل خود کو گھسیٹتے ہوئے فٹ پاتھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے بھی وہاں موجود ہر شخص کی طرح کمال بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر چیز کو نظر انداز کیا اور گاڑی آگے بڑھا دی مگر اگلے ہی پل اسے اور تقریباً بہت سی گاڑیوں کو بریک لگانی پڑی کیونکہ۔۔۔

سڑک کی دائیں جانب سے ایک لڑکی ہاتھ سے گاڑیوں کو رکنے کا اشارہ کرتی تیزی سے ٹریفک کے عین وسط میں آئی تھی اور جھک کر اس کتے کو اٹھا چکی تھی۔اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائے اسے دیکھا جو کتے کو اسی طرح تھامے اب دوبارہ فٹ پاتھ تک جا رہی تھی۔

بالکل ہی غیر ارادی طور پر اس نے گاڑی تھوڑا آگے جا کر سڑک کی دائیں طرف روک دی اور سائیڈ مرر کچھ اس انداز میں سیٹ کیا کہ وہ اس لڑکی کی تمام تر کارائی آرام سے دیکھ سکتا تھا۔اس کے ساتھ اس کی کوئی دوست بھی تھی جو چہرے پر بیزاری بھرے

تاثرات لئے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔وہ اس کتے کے سامنے دوزانو بیٹھی اس کی ٹانگ پر لگے زخم کا معائنہ کر رہی تھی پھر اس نے سر اٹھا کر اپنی دوست سے کچھ کہا جس پر جواباً اس نے اپنے ہاتھ میں موجود ہینڈ بیگ اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے بیگ سے ایک پانی کی بوتل نکال کر پہلے پانی سے زخم صاف کیا پھر ایک رومال کو زخم پر رکھا اور ہاتھ سے دباؤ ڈالا تاکہ خون رسنا بند ہو جائے اور جب خون رک گیا تو زخم پر اچھے سے بینڈج کر دی۔

''اب کچھ دیر آرام کرنا، ٹھیک ہے؟ اور اپنا خیال رکھنا!'' کتے کو ایک پلر کے ساتھ آرام سے بٹھا کر اس کے سامنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے جھک کر وہ یوں بات کر رہی تھی جیسے وہ اس کی زبان سمجھ ہی گیا ہو۔بے ساختہ شہروز کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔

پھر اس نے اسی بیگ سے بسکٹ کے چند پیکٹ برآمد کیے اور ان کے ریپر کھول کر اس کے سامنے رکھ دیے۔

''اب اسے گود بھی لے ہی لو۔'' اس کی دوست نے قدرے اکتا کر اسے دیکھا تھا جو ہر چیز سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھی۔اور ارد گرد سے بے نیاز تو وہ بھی ہو گیا تھا۔

اسے اپنی اہم میٹنگ اور دوسرا ہر کام بھول گیا تھا۔ سیٹ سے ٹیک لگائے، نظریں شیشے پر جمائے یوں فرصت سے بیٹھا تھا جیسے دنیا میں اس سے زیادہ ضروری اور کوئی کام ہے ہی نہیں۔

وہ سیدھی کھڑی ہوئی اور ناراضگی سے اسے دیکھا۔ ''تو کیا اسے اس طرح زخمی حالت میں دیکھ کر بھی نظر انداز کر دیتی؟''

''تم تو ایسے بات کر رہی ہو جیسے کوئی انسان زخمی ہو گیا تھا۔ حد ہو گئی ہے یار۔۔۔ یہ کتے بلیاں تو روزانہ ہی ایسے کئی ایکسی ڈینٹس میں زخمی ہوتے ہیں یا مارے جاتے ہیں اور تم ایک کتے کو بچانے کے لئے اتنے خطرناک ٹریفک کے درمیان میں گھس گئیں۔ تمہیں کچھ ہو جاتا تو؟'' وہ دونوں اب چلتے ہوئے اس کی گاڑی کی طرف ہی آ رہی تھیں۔

''تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ صرف اس لئے کہ یہ انسان نہیں ہے اور ایک بے زبان جانور ہے جو ہماری طرح اپنی تکلیف پر واویلہ بھی نہیں مچا سکتا، اسے تکلیف میں دیکھ کر بھی تڑپنے اور مرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے؟ کم از کم میں یہ نہیں کر سکتی کیونکہ مجھ میں ابھی احساس اور انسانیت باقی ہے۔'' اس کا انداز نرم مگر مستحکم تھا۔

''ہم بھی انسان ہیں! ہمیں بھی جانورون کا احساس اور ان سے ہمدردی ہے مگر ان کی

مدد کی خاطر یوں خود کو خطرے میں ڈالنا بھی بے وقوفی ہے۔"اس کی دوست کا لہجہ تھوڑا ترش ہو گیا۔

اب وہ اس کی گاڑی کے بالکل قریب پہنچ چکی تھیں۔وہ چلتے ہوئے پوری اپنے بائیں جانب پلٹی اس طرح کہ وہ براہ راست اس کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔آسمانی رنگ کے حجاب میں لپٹا گندمی شفاف چہرہ جو اس وقت سورج کی کرنوں کی زد میں دمک رہا تھا۔وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"انسانیت یہ نہیں ہے کہ کسی کی بھی تکلیف کا چاہے وہ انسان ہو یا جانور لمحے بھر کے لئے احساس کرتے ہوئے ہمدردی جتا کر پھر اپنے راستے چلے جائیں۔انسانیت تو یہ ہے کہ اگر آپ اس قابل ہیں کہ اسکی مدد کر سکیں تو آگے بڑھ کر اس کے درد کی دوا کی جائے اور جس حد تک ممکن ہو اس کی تکلیف کم کرنے کی کوشش کی جائے۔"اس نے اپنے عقب میں اشارہ کیا۔

"اور تم کہہ رہی ہو کہ مجھے ایک کتے کے لئے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟کسی انسان کی مدد کرنے پر وہ میرا اتنا شکر گذار نہ ہوتا شاید جتنا یہ جانور ہو رہا ہے۔دیکھو یہ ہمیں دل میں ڈھیروں دعائیں دے رہا ہو گا۔"وہ آخر میں مسکرائی اور اس کی گاڑی کے

قریب سے گزرتی آگے بڑھی۔۔۔اور شہروز کمال نے دیکھا کہ وہ کتا اسی لڑکی کی پشت کو آنکھوں میں چمک لئے دیکھ رہا تھا اور اپنی دم ہلا رہا تھا جیسے اگر ٹانگ زخمی نہ ہوتی تو یقیناً بھاگ کر اس کے پیچھے جاتا۔اس نے سر جھٹک کر سامنے دیکھا جہاں وہ اب بہت آگے نکل گئی تھی۔

اسے وہ لڑکی اپنی باتوں اور حرکتوں سے کسی اور ہی دنیا سے آئی معلوم ہوئی تھی۔بھلا آج کل کے زمانے میں بھی کوئی دوسروں

کے لئے اور خاص طور پر سڑکوں پر پھرنے والے جانوروں کے لئے اس قدر حسّاس ہو سکتا تھا؟ یہاں تو کوئی اپنے خونی رشتوں کے لئے بھی اس قدر بے غرض ہو کر کم ہی سوچتا تھا اور وہ۔۔۔اس نے ایک گہری سانس ہوا کے سپرد کی اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆☆☆

ایک خوبصورت اور پر سکون صبح طلوع ہو چکی تھی۔وہ جاگنگ کر کے ہوٹل واپس آیا اور کچھ دیر وہیں لابی میں بیٹھ کر ایک میگزین کا مطالعہ کرنے لگا۔بزنس کے متعلق لکھے ایک آرٹیکل پر غور کر رہا تھا جب ایک بے حد سرسری سی نظر اس نے لفٹ کے کھلتے ہوئے دروازے پر ڈالی اور پھر نظر ٹھہر گئی۔

سرخ لانگ کاٹ میں چہرے کے گرد سیاہ حجاب لپیٹے وہ وہی کل والی لڑکی تھی۔ سردی کے باعث اس کی ناک سرخ ہو چکی تھی اور وہ ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے آگے بڑھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ یہاں سے وہ اسکا دایاں رخ دیکھ سکتا تھا۔ وہ پوری طرح باہر کے مناظر میں گم تھی۔ ارد گرد کا ہوش نہ تھا۔ پھر اس کی وہی دوست جو کل اس کے ساتھ تھی وہاں آکر اسے باہر چلنے کے لئے کہنے لگی۔ وہ دل ہی دل میں اس اتفاق پر حیران ہو رہا تھا کہ وہ بھی اسی ہوٹل میں ٹھہری تھی جہاں وہ تھا۔

اس کی دوست اب باقائدہ بازو سے کھینچتے ہوئے اسے ساتھ لے جا رہی تھی اور وہ مسکین سی شکل بنائے اس کے ساتھ گھسٹتی جا رہی تھی۔ اس کے تاثرات دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔ وہ دونوں ہوٹل سے باہر نکل گئیں اور وہ اپنے روم میں آکر میٹنگ کے لئے تیار ہونے لگا۔

وہ شیشے کے سامنے کھڑا برش بالوں میں پھیرتا انہیں سیٹ کر رہا تھا جب اس کے موبائل پر شمائلہ بیگم کی کال آئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہو میری جان؟ کیا کر رہے تھے؟" دوسری جانب سے ان کا محبت سے لبریز لہجہ سن کر وہ مسکرایا۔ وہ دو سال کا تھا جب اس کے والد کمال صاحب اس دنیا

سے رخصت ہو گئے تھے۔ان کے بعد شائلہ بیگم نے ہی اسے ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا تھا۔ان دونوں کی زندگی کا محور فقط ایک دوسرے کی ذات تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں! اور بس میٹنگ کے لئے تیار ہو رہا تھا۔آپ کی طبیعت ٹھیک ہے ناں؟ دوائیں وقت پر لے رہی ہیں؟" وہ ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں اور اپنی صحت کے معاملے میں بہت لاپرواہ۔ان کی دوائیوں اور کھانے پینے کا خیال وہی رکھتا تھا۔اس لئے جب بھی بزنس کے یا کسی اور کام کے سلسلے میں گھر سے دور جاتا تھا اسی طرح ہر لمحہ فکر مند رہتا تھا۔وہ اس کے دو دن میں ایک ہی سوال دس بار کرنے پر ہنس پڑی تھیں۔

"ہاں بھئی طبیعت بھی بالکل ٹھیک ہے اور دوائیں بھی پابندی سے لے رہی ہوں۔"

"مجھے پتا نہیں کیوں یقین نہیں آ رہا۔" وہ محض انہیں چھیڑ رہا تھا۔

"میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گی بھلا؟" وہ بُرا مان گئیں۔

"اچھا مان لیا سچ کہہ رہی ہیں۔ویسے بھی پتا تو مجھے چل ہی جائے گا واپس آ کر۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں کچھ سوچ رہی ہوں شہری۔'' وہ پُر جوش انداز میں بولیں۔

''اللہ خیر کرے!'' اس کی بڑبڑاہٹ ابھری۔

''میں سنجیدہ ہوں۔'' وہ ڈپٹتے ہوئے بولیں۔

''اور میں خوف زدہ!'' اس کے برجستہ جواب پر وہ پھر ہنس پڑیں۔

''اچھا جاؤ اب نہیں بولوں گی۔''

''مزاق کر رہا ہوں۔ بتائیں کیا سوچ رہی ہیں؟''

''بھئی اب میں اس گھر میں بہت تنہائی کا شکار ہو رہی ہوں۔ تم تو اپنی میٹنگز کی وجہ سے کہیں نہ کہیں چلے جاتے ہو اور جب یہاں ہوتے ہو تب بھی کون سا گھر پر ٹکتے ہو۔'' وہ فون کان اور کندھے کے درمیان سنبھالے گھڑی پہنتے ہوئے ان کے شکوے سن رہا تھا۔

''ان سب باتوں کا ابھی کیا مقصد ہے؟''

''یہی کہ اب تمہیں شادی کر لینی چاہیئے تاکہ ہمارے گھر میں بھی کچھ رونق ہو۔'' وہ اپنے پسندیدہ موضوع پر آچکی تھیں۔ اس نے مسکرا کر بالوں میں ہاتھ پھیرا اور ایک

آخری نظر خود پر ڈال کر باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

''اوہ!''مختصر جواب دیا۔

''کیا اوہ؟''وہ بے چین ہوئیں۔

''کچھ نہیں۔''

''مطلب تمہیں اعتراض نہیں ہے؟''

''مجھے کیوں اعتراض ہو گا؟ پہلے کبھی آپ کی کسی بات پر اعتراض کیا ہے؟''اس نے اپنے قہقہوں کا بمشکل گلا گھونٹا۔ وہ ان کی حالت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ شائلہ بیگم کا اس سفید جھوٹ پر منہ کھل گیا۔ حیرت بھی ہوئی کیونکہ آج سے پہلے تو وہ ہمیشہ اس موضوع پر چڑ جاتا تھا اور صاف انکار کر دیا کرتا تھا کہ کبھی شادی کے چکر میں تو پڑنا ہی نہیں ہے مگر آج اس کے لہجے میں بیزاری اور غصہ بالکل مفقود تھا۔

''بالکل بھلا تم سا بھی کوئی فرمانبردار اور سعادت مند بیٹا ہے کیا کسی کا؟''وہ مسکراتے ہوئے طنزیہ انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

''اوں ہوں۔۔۔ ہو ہی نہیں سکتا!''اس نے نفی میں سر ہلایا۔''ویسے بھی آپ کی

بات ٹھیک ہے۔ہمارے گھر میں بھی اب رونق ہونی چاہیئے۔"

"چلو پھر اسی سعادت مندی کے ساتھ اس 'رونق' کا نام اور پتہ بھی بتادو جسے اب ہمارے گھر میں ہونا چاہیئے۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔وہ سچ میں اس کی ماں ہی تھیں۔ تصور میں کسی کا حجاب میں لپٹا معصوم چہرہ لہرایا۔اس نے لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے ہاتھ پر بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔میں آپ کو بعد میں کال کرتا ہوں۔ابھی میٹنگ کے لئے لیٹ ہو رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے مت بتاؤ۔ویسے بھی مجھے معلوم تو ہو ہی جائے گا تمہارے واپس آنے پر۔فی امان اللہ!" انہوں نے اسی کا جملہ اسی کو لوٹا دیا۔اس نے مسکراتے ہوئے موبائل پینٹ کی جیب میں اڑسا۔لفٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے ہوٹل کے دروازے سے ان دونوں کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔اس لڑکی کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا۔(جاتے ہوئے تو ان کے پاس کوئی بچہ نہیں تھا۔خیر کسی اور کا ہو گا!) وہ دروازے کی سمت بڑھنے لگا مگر قدم سست پڑ گئے۔

اس کی دوست اس پر برس رہی تھی اس بچے کو اٹھا کر ساتھ لے آنے پر۔اسے ان

دونوں کی باتیں سنتے ہوئے سارے معاملے کی سمجھ آگئی۔وہ بچہ انہیں سڑک پر ملا تھا جسے وہ اپنے ساتھ لے آئی تھی اور اب اسے گود میں اٹھائے سردی سے بچانے کے لئے اس کے گرد کمبل ٹھیک کر رہی تھی۔

اس کی دوست اسے بچے کو یتیم خانے چھوڑ آنے کا مشورہ دے رہی تھی جس سے دل میں اس نے اتفاق کیا تھا۔یہی حل ہو سکتا تھا اس معاملے کا۔فرحان (اس کے سیکریٹری) کی کال آنے لگی جو یقیناً اس کے لیٹ ہونے پر پریشان ہو رہا تھا۔وہ فون اٹھانے ہی لگا تھا جب اس لڑکی کا جواب سن کر بھک سے اڑ گیا۔وہ اس بچے کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جانا چاہتی تھی۔

''اس نے گردن موڑ کر حیرت سے اس 'مدر ٹیریسا کے جدید ورژن' کو دیکھا جو اپنی بات کہہ کر بالکل مطمئن تھی۔کیا تھی یہ لڑکی؟ایسا کون کرتا ہے آخر۔۔۔؟اس کی دوست کی حالت بھی شہروز سے کچھ مختلف نہ تھی۔

''ڈونٹ ٹیل می تم اسے خود اڈوپٹ کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہو۔''اسے اس لڑکی سے امید تھی کہ وہ فوراً اپنی دوست کے اس خیال کی نفی کر دے گی۔مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔اگر تائید نہیں کی تو تردید بھی نہیں کی۔شہروز کمال بس اسے

دیکھ کر رہ گیا۔

فرحان کی مسلسل کالز موصول ہو رہی تھیں۔ ”ہاں تم میٹنگ شروع کرو میں بس پہنچ رہا ہوں!“ اس کی تسلّی کرواتے ہوئے وہ تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

میٹنگ کے دوران بھی ذہن بھٹک بھٹک کر ایک ہی سمت جا رہا تھا۔ اسے خود کو پریزینٹیشن کی جانب متوجہ رکھنے کے لئے بہت دِقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

واپسی پر ہوٹل آنے کے بجائے وہ بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑانے لگا۔ یہ اپنا دیہان بٹانے کیا ایک شعوری کوشش تھی جس میں وہ ناکام ہی رہا تھا۔ پھر وہ کچھ دوستوں کے ہمراہ ڈنر کے لئے ایک ریسٹورنٹ آ گیا۔

”کن خیالوں میں گم ہے ہیرو؟“ وہاب نے جو کب سے اس کی غائب دماغی نوٹ کر رہا تھا شرارت سے اسے چھیڑا۔ وہ چونکا پھر سنبھل کر مسکرایا۔

”کہیں نہیں یار۔۔۔ تو سنا کیسی چل رہی ہے جاب؟“

”کرم ہے مولا کا! اچھی چل رہی ہے۔ بس بہت ٹف روٹین ہے۔ کل کا دن بھی بہت

مصروف گزرنے والا ہے۔"

"مگر کل تو ویک اینڈ ہے!" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا جس پر وہاب ہنس پڑا۔

"پولیس کی نوکری میں ویک ڈے اور ویک اینڈ جیسا کچھ نہیں ہوتا۔" اس نے بھی سمجھ کر سر ہلا دیا۔

"ویسے بھی کیس بھی تو کتنے بڑھ گئے ہیں۔ آج ہی ہمیں ایک جوان لڑکی کی لاش ملی ہے کھائی میں سے۔ چہرہ سارا مسخ ہو گیا ہے۔" وہ عام سے انداز میں بتا رہا تھا کیونکہ اس کے لئے یہ سب روزانہ کے معمولات کا حصہ بن گیا تھا اب۔

"اوہ۔۔۔ خودکشی؟" اس نے کچھ تاسف سے یک حرفی سوال کیا۔

"بظاہر تو یہی لگتا ہے۔" وہاب نے کندھے اچکائے۔ "خیر ابھی تفتیش جاری ہے۔ ہمارے پاس اب تک کسی نے اس کی گمشدگی کی رپورٹ بھی درج نہیں کروائی ہے ورنہ شناخت میں آسانی ہو جاتی۔" وہ جو سر ہلاتے ہوئے تفصیلات سن رہا تھا اچانک ہی تھما۔ دماغ میں جیسے کچھ کلک ہوا۔

"باڈی آج صبح ملی ہے تو اس لڑکی نے خودکشی کب کی ہو گی؟"

''لاش زیادہ پرانی نہیں ہے۔میرے حساب سے شاید کل رات کو۔''اس نے سوچتے ہوئے بتایا۔

''کل رات!''وہ زیرِلب بڑبڑایا۔

''اب تک اور کیا معلوم ہو سکا ہے لڑکی کے بارے میں؟''وہاب نے اس کے انداز میں ہلکی سی بے چینی محسوس کی تھی۔

''کچھ خاص نہیں۔جہاں تک ابھی معلوم ہو سکا ہے اس کے مطابق وہ شاید یہیں کے ایک گرلز ہاسٹل میں رہتی تھی مگر ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔''وہ ٹھہرا اور آنکھیں سکیڑ کر شہروز کا چہرہ دیکھا۔''ویسے تو کیوں اتنی دلچسپی لے رہا ہے اس معاملے میں۔۔۔خیریت؟''

اس نے وہاب کا انداز دیکھا پھر ہلکے سے شانے اچکائے۔''یونہی۔۔۔کیوں نہیں لے سکتا؟''

''لے تو سکتا ہے مگر عموماً لیتا نہیں ہے۔کہیں تو انوالو(ملوث)تو نہیں ہے اس معاملے میں؟''وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔انداز بالکل تفتیشی

تھا۔شہروز کے تاثرات بھی یکلخت تبدیل ہوئے۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟تو مجھ پر شک کر رہا ہے؟"وہ ماتھے پر بل ڈال کر سخت لہجے میں بولا۔اس کے غصے پر وہاب کے تنے اعصاب فوراً ڈھیلے پڑ گئے۔ماتھے کی شکنیں بھی غائب ہو گئیں۔

"ایسی بات نہیں ہے یار۔مائنڈ مت کرنا۔بس کیا کریں ہر ایک کو شک کے دائرے میں رکھنا ہماری جاب کا حصہ ہے۔"وہ مصالحانہ انداز اپناتے ہوئے بولا۔اس کے تاثرات بھی نارمل ہو گئے۔

"کوئی بات نہیں!بس وہ دراصل۔۔۔"اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہاب کو ساری بات بتانی چاہیئے بھی یا نہیں۔یہ صرف اس

کا اندازہ تھا۔کیا پتا اِس لڑکی اور اُس بچے کا آپس میں کوئی تعلق نہ ہو۔وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا بات ہے شہری؟تو مجھ سے شیئر کر سکتا ہے۔میں ایک پولیس والا ہونے کے ساتھ تیرا دوست بھی ہوں۔"وہ اس کی ہچکچاہٹ سمجھ گیا تھا۔اس نے گہری سانس بھری اور اسے پوری بات بتا دی۔

"اوہ آئی سی۔۔۔ ہو سکتا ہے تیرا اندازہ درست ہو۔ ویسے اس وقت وہ لڑکی اور بچہ کہاں ہیں؟" اس نے اسے ہوٹل کا نام بتا دیا۔ وہاب نے اس سے کہا کہ جیسے ہی مزید تفتیش کے دوران انہیں کچھ معلوم ہو گا وہ اسے ضرور آگاہ کرے گا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ پھر جاگنگ کر کے ہوٹل پہنچا تو دانستہ کل کی طرح وہیں لابی میں رکھے صوفوں پر بیٹھ گیا۔ ایک میگزین ہاتھ میں لئے بے توجہی کے ساتھ ورق گردانی کر رہا تھا کیونکہ توجہ ساری لفٹ کے دروازے کی طرف تھی جہاں سے کل وہ اسی وقت نمودار ہوئی تھی مگر آج کافی دیر گزرنے کے بعد بھی وہ نہیں آئی۔ اسے بے چینی نے آن گھیرا۔ کچھ وقت اور گزرا تو وہ اٹھا اور ریسپشن تک آیا۔

"ایکسکیوزمی!" ریسپشن پر بیٹھی لڑکی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اس ہوٹل میں دو لڑکیاں ٹھہری ہوئی ہیں۔ کل میں نے اسی وقت انہیں یہاں دیکھا تھا۔" پھر وہ مختصراً اسے ان دونوں کا حلیہ سمجھانے لگا۔

"آپ مجھے ان دونوں کے روم نمبر بتا سکتی ہیں؟ دراصل میرا کچھ سامان شاید غلطی سے

ان کے پاس چلا گیا ہے۔"

"اوہ۔۔۔آپ غالباً جن کی بات کر رہے ہیں وہ تو کل شام ہی اپنے ساتھ آئے کچھ اور لوگوں کے ساتھ یہاں سے چیک آؤٹ کر کے جا چکی ہیں۔" اس لڑکی نے بے حد شائستگی کے ساتھ اس کے سر پر دھماکہ کیا۔کچھ لمحوں کے لئے تو وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟آئی مین کل تک تو وہ یہیں تھیں۔" وہ حیران تھا۔انداز میں بے یقینی تھی۔

"یس سر ان لوگوں کا دو دن کا اسٹے (قیام) تھا۔کل شام وہ لوگ جا چکے ہیں۔"

"کہاں گئے ہوں گے؟" بے ساختہ اس کے منہ سے پھسلا۔

"یہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔" اس لڑکی نے کچھ جتا کر کہا تو وہ گڑبڑایا پھر سنبھل کر شکریہ کہتا اپنے کمرے میں آ گیا۔

"کہاں ہو گی وہ؟" تمام دن وہ اسی ایک نکتے پر سوچتا رہا۔اسے خود بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک انجان لڑکی کے بارے میں کیوں مسلسل سوچ رہا ہے۔جس معاملے سے براہ راست کوئی تعلق ہی نہیں ہے اس کے بارے میں کیوں جاننا چاہتا ہے۔

''بس بہت ہو گیا۔۔۔وہ چلی گئی تو چلی گئی۔اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے۔ ظاہر ہے وہ ساری زندگی تو اس ہوٹل میں قیام نہیں کرنے والی تھی۔بچہ اس کو ملا تھا،وہ ساتھ لے گئی ہو،کسی یتیم خانے میں چھوڑ دیا ہو یا کچھ بھی کیا ہو یہ اس کا مسئلہ ہے۔میں کیوں احمقوں کی طرح اس بارے میں سوچ سوچ کر اپنا دماغ تھکا رہا ہوں؟''رات سونے سے پہلے بالآخر اس نے اپنے دل و دماغ کو بُری طرح ڈپٹ دیا۔ساتھ ہر خیال کو بھی ذہن سے جھٹک دیا اور پر سکون ہو کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆☆

آج دو دن بعد وہ پھر وہاب کے ساتھ ایک کیفے میں موجود تھا۔کیس کی تفتیش مکمل ہو چکی تھی۔اس کا اندازہ درست تھا۔وہ بچہ اسی لڑکی کا تھا۔معاملہ کچھ یوں تھا کہ وہ لڑکی جس کا نام آئمہ تھا کسی فرید نامی لڑکے میں انوالو تھی۔اس بات کی گواہ اس ہاسٹل کی کئی لڑکیاں تھیں جہاں آئمہ ٹھہری ہوئی تھی۔وہاب نے اسے اس لڑکے کی تصویر بھی دکھائی۔شہروز نے بغور تصویر میں موجود شخص کو دیکھا۔اسے لگا جیسے اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔مگر کہاں۔۔؟اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

ہاسٹل میں اس کے ساتھ ٹھہری انہی لڑکیوں کا کہنا تھا کہ کچھ عرصے تک فرید آئمہ سے

ملنے ہاسٹل آتا رہا تھا پھر اچانک اس نے آنا بند کر دیا۔ پھر ایک آدھ مہینے بعد وہ واپس آیا اور آئمہ کو اپنے ساتھ کہیں لے گیا۔ وہاں سب کو یہی لگا کہ ان دونوں نے شادی کر لی ہے مگر اب اچانک اس طرح آئمہ کی خودکشی اور اس کے بچے کے بارے میں جان کر بہت سے سوال سر اٹھا رہے تھے۔

اس کی بات مکمل ہوئی تو دونوں کے درمیان بوجھل سی خاموشی چھا گئی۔ وہاب کچھ دیر اس کے کچھ کہنے کا منتظر رہا مگر وہاں ہنوز خاموشی چھائی دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels | Afsana | Articles | Books | Poetry | Interviews

"خیر اب بھول جا اس قصے کو۔ اتنا مت سوچ اس بارے میں۔" وہ خود کچھ حیران بھی تھا کیونکہ شہروز کو اس نے کبھی ایسے کسی واقعے کے بارے میں معلوم ہونے پر یوں الجھن کا شکار ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو خود اپنی ذات سے منسلک باتوں کو زیادہ دیر تک سر پر سوار کرنے کا عادی نہ تھا کجا کہ کسی اور کے بارے میں سن کر اس طرح ڈپریس ہونا۔

"اس لڑکے کا کچھ پتا چلا؟" اس نے خود کو کمپوز کر کے سوال کیا۔ وہ وہاب کی حیرانی سمجھ رہا تھا۔

''نہیں اور وہ مل بھی جائے تب بھی ہم اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ایک خودکشی کا کیس ہے اور فرید کے خلاف ہمارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت بھی نہیں ہیں۔'' وہ عام سے انداز میں بتا رہا تھا۔ ''ویسے وہ لڑکی ابھی بھی اسی ہوٹل میں ہے کیا اور بچہ اس کے پاس ہے؟''

''نہیں! وہ دو دن پہلے ہی چلی گئی تھی اور بچے کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں ہے۔''

''اچھا۔۔۔ میرے حساب سے تو اسے اس بچے کو کسی یتیم خانے میں دے دینا چاہئے بلکہ وہ یہ کام اب تک کر بھی چکی ہو گی۔ خیر اب چلتا ہوں۔ کچھ ضروری کام ہے۔ ٹیک کیئر بڈی!'' وہ اس سے مصافحہ کر کے چلا گیا جبکہ وہ وہیں تنہا بیٹھا رہا۔

''اس نے واقعی اس بچے کو کسی یتیم خانے میں دے دیا ہو گا؟'' وہ خود سے سوال کر رہا تھا۔

''ہاں اس نے ایسا ہی کیا ہو گا۔ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ یہی کرتا حتیٰ کہ میں بھی۔'' مگر اس کی جگہ شہروز کمال تھا نہ کوئی اور یہی تو اصل بات تھی۔ اس کا سڑک پر پڑے ایک زخمی کتے کی تکلیف دور کرنے کے لئے خطرناک ٹریفک کی بھی پرواہ نہ کرنا، احتیاط سے اس کی بینڈج کرنا، ایک لاوارث بچے کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے آنا، اسے ٹھنڈ سے

بچانے کی خاطر خود سے لگا کر بار بار اسکے گرد کمبل درست کرنا اور ایسے سب مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگتے۔

"یار ٹھیک ہے وقتی طور پر انسان جذباتی ہو جاتا ہے اور ہمدردی میں ایسے اقدام کر جاتا ہے مگر ظاہر ہے ایک بچے کو گود لینے کا، اس کی پوری ذمہ داری اپنے سر لینے کا فیصلہ بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور ایسے فیصلے سوچ سمجھ کر ہی کرنے چاہئے، یوں جذبات میں آکر نہیں۔

اس نے بھی بعد میں اس بارے میں اچھے سے سوچا ہو گا۔ گھر والوں سے بھی مشورہ کیا ہو گا اور پھر بچے کو کسی ویلفیئر سینٹر والوں کے حوالے کر دینا ہی اسے ٹھیک لگا ہو گا یا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی بے اولاد جوڑے کو دے دیا ہو۔" دماغ اسے مسلسل قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر دل۔۔۔ پتا نہیں کیوں مگر اس کا دل یہ بات ماننے کو تیار نہ تھا۔

☆☆☆

وہ گھر واپس آچکا تھا اور شائلہ بیگم حسبِ توقع اس دن کی گفتگو بھولی نہیں تھیں اور اب مصر تھیں کہ انہیں اس لڑکی کے بارے میں بتایا جائے۔

''جب میں کہہ رہا ہوں کوئی لڑکی نہیں ہے امی تو آپ کو یقین کیوں نہیں آرہا۔'' وہ جھنجھلا گیا تھا۔

''کیونکہ تمہاری آنکھیں تمہارے اس بیان کا ساتھ نہیں دے رہی ہیں۔'' اس کے برعکس اطمینان سے کہتے ہوئے انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا جبکہ اس نے فوراً ہی نظریں چرالی تھیں جیسے ڈر ہو کہ کہیں واقعی وہ اس کی آنکھوں میں اُس کا عکس دیکھ لیں گی۔ مگر پھر اپنی ہی حرکت پر وہ حیران ہوا جبکہ وہ محظوظ ہوتے ہوئے مسکراہٹ دبا گئیں۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ پتا نہیں کیا کہہ رہی ہیں۔'' اس نے ان سے زیادہ اپنے آپ کو باور کروایا کہ 'ایسا کچھ نہیں ہے!'

''اچھا چلو مان لیا مجھے غلط فہمی ہو رہی ہے۔'' انہوں نے کچھ سوچ کر ہاتھ اٹھا لئے۔ ''یہ بتاؤ تمہاری میٹنگز کیسی رہیں اور باقی سب کیسا رہا؟ اس بار تم نے ٹھیک سے کچھ بتایا ہی نہیں۔'' ان کا شکوہ بجا تھا۔ وہ کہیں بھی جاتا تھا تو واپس آکر تفصیل کے ساتھ ہر بات انہیں بتانے کا عادی تھا اور یہ عادت اس کی بچپن سے تھی۔ وہ نہ پوچھیں تب بھی۔ مگر اس بار اس نے ان کے پوچھنے پر بھی بس مختصر جوابات دیے تھے۔

اس نے گہری سانس لے کر ان کی طرف دیکھا۔وہ اس کی ماں بعد میں تھیں پہلے اس کی دوست تھیں۔اس کی بیسٹ فرینڈ! جن سے ہر بات شیئر کیے بنا اسے خود چین نہیں ملتا تھا۔جو ہر معاملے میں اسے بہترین اور غیر جانبدارانہ رائے دیتی تھیں۔جہاں وہ ٹھیک ہوتا وہاں برملا سراہتی تھیں اور جہاں غلط ہوتا وہاں بھی کسی قسم کی رعایت نہیں دیتی تھیں۔غرض اپنے اور بعض اوقات دوسروں کے بھی کسی عمل کے صحیح یا غلط ہونے کی تصدیق کروانے وہ انہی کے پاس آتا تھا۔

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول،ناولٹ،افسانہ،کالم،آرٹیکل،شاعری،پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین

"اصل میں مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔ مطلب کچھ شیئر کرنا ہے آپ کے ساتھ۔ بظاہر تو میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر میں جب بھی اس بارے میں سوچتا ہوں مجھے ایک تعلق ایک کنکشن سا محسوس ہوتا ہے۔" پھر اس نے الف سے یے تک پوری روداد انہیں کہہ سنائی۔

"ہوں۔۔۔ تو یہ بات ہے!" پوری بات سننے کے بعد انہوں نے ایک لمبی سانس ہوا کے سپرد کی اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھا جو

بے چینی سے ان کے تاثرات ہی نوٹ کر رہا تھا۔

"دیکھو میری جان! وہ ایک حسّاس اور ہمدرد فطرت کی بچی ہے۔ گو کہ ایسے لوگ آج کل بہت کم ہی پائے جاتے ہیں مگر تمہاری بات سن کر مجھے ایسا ہی محسوس ہوا ہے۔" وہ ایک پل کو ٹھہریں۔

"اس طرح ایک لاوارث بچے کو سڑک سے اٹھا کر اس کی جان بچانا، اس کا خیال کرتے ہوئے اسے پناہ دینا ہی بہت بڑا اور نیک عمل ہے۔ اب اس کے بعد اگر وہ اس کی ذمہ داری مستقل طور پر نہ بھی اٹھائے اور اسے محفوظ ہاتھوں میں دے دے تو یہ بھی غلط نہیں ہے۔ بلکہ شاید اس بچے کے حق میں یہی بہتر ہو۔"

''اور جہاں تک بات ہے تمہاری تو تم صرف اتنا کرو کہ جب بھی اس بارے میں خیال آئے تو اس بچی کے لئے دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسانیاں پیدا کرے۔ ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں لوگ صرف مظلوم کے لئے ہی خود غرض نہیں ہوتے بلکہ مدد کرنے والے کے حق میں بھی بے حِس اور سفاک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کوئی اچھا کام کرنا چاہے یا کرے تو اس کے اس عمل کو ہی اس کے گلے کی ہڈی بنا دیتے ہیں۔'' وہ لہجے میں تاسف سموئے کہہ رہی تھیں۔

''تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ اس لڑکی کے ساتھ ایک نومولود بچے کی موجودگی نے کس کس طرح کی مشکلات اس کے لئے پیدا کی ہوں گی۔ لوگوں نے اس کی ذات کے حوالے سے کیسے کیسے سوال اٹھائے ہوں گے۔ اس لئے ہمیں اس کے لئے دعا کرنی چاہئے کہ اللہ اسے استقامت عطا کرے اور اس کی دشواریوں کو آسان کرے۔'' ان کی بات پر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ واقعی۔۔۔ اس نہج پر تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔ وہ خود مرد تھا، امی کے علاوہ کبھی کسی عورت سے قریبی واسطہ پڑا ہی نہ تھا اس لئے معاشرے میں عورتوں کو درپیش مسائل سے کسی حد تک بے خبر تھا۔

وہ اس کی خاموشی پر دھیرے سے مسکرائیں اور اس کے بال سہلائے۔ انہیں اس کی

سوچوں تک رسائی حاصل تھی۔وہ فقط اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کے دل کی حالت کا اندازہ لگا لیا کرتی تھیں۔

"تمہیں وہ پسند آگئی ہے؟" بڑے ہی بے تکلف اور دوستانہ انداز میں سوال کیا تھا۔

وہ چونک گیا۔"نہیں۔۔۔مطلب پتا نہیں۔۔۔شاید! مجھے خود بھی نہیں معلوم۔" تین مختلف جوابات دینے کے بعد اس نے لاعلمی کا اظہار کر دیا تھا۔

"اب اس بات کا کیا فائدہ ہے۔میں تو اس کا نام تک نہیں جانتا۔کون ہے کہاں رہتی ہے کچھ بھی نہیں پتا مجھے۔" وہ مایوس انداز میں کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔پھر اچانک چہرہ ان کی طرف موڑ کر شرارتی انداز میں بولا۔

"ویسے آپ کو روایتی ماؤں والی جیلسی تو محسوس نہیں ہو رہی ناں یہ سب سن کر؟ اگر ہاں تو ایسا مت سوچیں۔۔۔میری پہلی محبت تو آپ ہی ہیں!" اس کے خالص لوفرانہ انداز پر وہ ہنس پڑیں اور ایک چپت اس کے کندھے پر لگائی۔

"آیا بڑا عاشق! اور میں ایسی فضول باتوں پر جیلس نہیں ہوتی اچھا۔آخر میرے بھی کچھ معیار ہیں بھئی۔" انہوں ناک پر سے مکھی

اڑائی اور میز پر رکھے دونوں چائے کے کپ اٹھا کر جو خالی ہو چکے تھے کچن کی طرف جاتے ہوئے بولیں۔

"ویسے بھی اچھا ہے تمہاری جلد شادی ہو اور بیوی آئے تاکہ میں تمہاری اور اس گھر کی ساری ذمہ داری میں اس کے حوالے کر کے خود آرام کروں۔" انہوں نے مستقبل کے حوالے سے کیے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا۔

"مطلب آپ اتنی تنگ ہیں مجھ سے؟" وہ مصنوعی حیرت بھری خفگی سے بولا۔

"تمہاری سوچ ہے!" وہ کچن میں غائب ہو گئیں اور شہروز ہنس پڑا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

☆☆☆

اور پھر ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا مگر وہ لڑکی اس کے ذہن سے نہیں نکلی۔ وہ معصوم، سادہ و شفاف سا چہرہ آنکھوں میں کچھ اس طرح سمایا تھا کہ اب کوئی اور ان نگاہوں میں جچتا ہی نہ تھا۔ وہ جو شروع میں دل کی آواز کو جھٹلانے کی کوشش کرتا تھا اب دل کے روز بروز بڑھتے اصرار اور ضد کے آگے گھٹنے ٹیک چکا تھا۔ اس عرصے میں کئی بار اسلام آباد بھی جا چکا تھا اور ہر بار اسی ہوٹل میں بھی ٹھہرتا تھا۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر جگہ

بے شمار مختلف چہروں میں بس اسی ایک چہرے کو تلاش کیا مگر بے سود۔۔۔یوں لگتا تھا جیسے وہ بھی اس کے ساتھ یہ آنکھ مچولی کھیل کر لطف اندوز ہو رہی ہے اسی لئے سامنے نہیں آ رہی۔

اس سارے عرصے میں وہ اس کی خاص دعاؤں کا حصہ رہی تھی۔وہ اللہ سے اس کے لئے آسانیاں اور خوشیاں مانگتا رہا تھا لیکن کبھی چاہ کر بھی اس کے حصول کی دعا نہیں کر پایا تھا۔ڈرتا تھا یا پھر شاید خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتا تھا مگر اللہ تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔اسے ہمارے دل کی بات جاننے کے لئے ہمارے لفظوں کی ضرورت ہر گز نہیں ہے اور جو اللہ محض ایک نظر میں کسی کی محبت دل میں ڈال سکتا ہے وہ اس شخص کو چاہے سات سمندر پار ہی کیوں نہ ہو زندگی میں بھی شامل کر سکتا ہے۔بس نیت صاف اور یقین اسی پاک ذات پر ہونا چاہئے۔

ان دنوں شمائلہ بیگم 'لڑکی تلاش مہم' کی ایک سرگرم کارکن کا کردار نبھا رہی تھیں۔ کسی رشتے والی آنٹی سے بھی مدد طلب کی گئی تھی۔وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنا بیٹھا تھا اور دانستہ انہیں اس موضوع کی طرف یا تو آنے ہی نہ دیتا تھا اور اگر آ جائیں تو موضوع سرعت سے تبدیل کر دیتا تھا۔اس وقت بھی رات کا کھانا کھانے کے بعد

دونوں ماں بیٹا لان چیئرز پر بیٹھے تھے اور وہ مستقل باتیں کر رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟" بولتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ کب سے ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر چہرہ ٹکائے اسے تکے جا رہی تھیں اور بالکل خاموش تھیں۔انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ تمہیں سن رہی ہوں بس!" وہ سیدھی ہو کر بیٹھیں پھر مسکرائیں۔

"بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تمہاری پرانی پرانی وہ باتیں بھی جو مجھے پہلے ہی معلوم ہیں اور گزشتہ کچھ دنوں سے کئی مرتبہ سن بھی چکی ہوں وہی پھر سے سن رہی ہوں۔" ان کے شرارت بھرے سنجیدہ انداز پر وہ بھی کھسیا کر مسکرا دیا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟ آج ہم صاف صاف بات کر لیتے ہیں۔" انہوں نے رسانیت سے کہا۔

"میں شادی نہیں کرنا چاہتا اور چاہتا ہوں کہ آپ بھی یہ روز روز میرے لئے لڑکیاں دیکھنا چھوڑ دیں۔" اگلے ہی پل اس نے بھی بنا کوئی لگی لپٹی رکھے جو دل میں تھا کہہ دیا۔

"اچھا اور تم ایسا کیوں نہیں چاہتے؟"

''بس نہیں چاہتا!''

''نہیں ہر بات کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہوا کرتی ہے۔مجھے وجہ بتاؤ۔''اس بار وہ خاموش ہو گیا۔کوئی جواب نہ پا کر انہوں نے گہری سانس لی۔

''شہری اس بات کو ڈیڑھ سال ہو گیا ہے اب۔کیا تمہارے انکار کے پیچھے واقعی یہی وجہ ہے؟''وہ سچ میں حیران تھیں۔''جب میں نے پہلے تم سے پوچھا تھا تب تو تم نے کوئی حتمی جواب نہیں دیا تھا اور پھر اتنے عرصے سے بھی کوئی بات نہیں کی۔''وہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر رکیں جو مایوس کن انداز میں سر جھکائے گھاس کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا تم نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی ہے؟''تحمل سے سوال کیا۔اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

''کی ہے کوشش۔۔۔پر وہ کہیں نہیں ملی۔''

''تو پھر چھوڑ دو اس کا انتظار،اتنا وقت گزر گیا ہے اس واقعے کو۔اب تک تو اس کی منگنی یا ہو سکتا ہے شادی بھی ہو چکی ہو کسی سے۔''انہوں نے جان بوجھ کر یہ بات کی کیونکہ

وہ اسے اب مزید اس قسم کے لاحاصل انتظار میں اپنا وقت برباد نہیں کرنے دے سکتی تھیں۔ جبکہ ان کے اندازے پر اس نے بے چینی سے پہلو بدلا مگر کہا کچھ نہیں۔

"اچھا مجھے رشیدہ نے آج ہی ایک لڑکی کی تصویر دکھائی ہے۔ مجھے وہ تمہارے لئے بے حد پسند آئی ہے۔ تم بس ایک مرتبہ اسے دیکھ لو۔ جتنی پیاری صورت ہے اتنا ہی پیارا سا نام ہے۔" وہ تصویر لینے اٹھ کر اندر کی طرف جانے لگیں۔ شہروز نے برا سا منہ بنایا۔

"جب میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے نہیں کرنی ہے شادی۔"

"اور میں بھی کہہ رہی ہوں کہ تصویر دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" انہوں نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ دو منٹ بعد ان کی واپسی ایک تصویر کے ساتھ ہوئی جس کا رخ دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے اس کی طرف پھیرا۔

"سونل رحمان!" اس نے ناچاہتے ہوئے بھی ایک اکتائی ہوئی نظر تصویر پر ڈالی اور فوراً ہٹالی۔ مگر یہ کیا۔۔۔؟ اگلے ہی پل جھٹکے سے دوبارہ تصویر کو دیکھا اور تصدیق کی کہ آیا یہ سچ ہے یا نظر کا دھوکا!

سفید رنگ کے لباس میں چہرے کے گرد سنہرے رنگ کا حجاب لپیٹے دھیما سا

مسکراتے ہوئے وہ وہی تھی۔وہ بلاشبہ وہی تھی۔اس نے ہر جگہ ہر گھڑی کتنا تلاش کیا تھا اسے مگر ناکام رہا حتیٰ کہ تھوڑا بہت مایوس بھی ہو گیا تھا۔۔۔اور اب اچانک ہی اس کی تلاش کتنے خوبصورت انداز میں مکمل ہوئی تھی۔

شائلہ بیگم جو اس کے تاثرات جانچتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں،اس کی محویت دیکھ کر سارا معاملہ سمجھ گئیں۔تصویر کا رخ دوبارہ اپنی سمت پلٹ دیا۔وہ جو ٹرانس کی سی کیفیت میں تھا ہوش میں آیا۔

"دیکھو لڑکی پیاری ہے،پڑھی لکھی ہے اور بہت اچھے گھرانے کی بھی ہے۔مطلب تمہارے لئے بالکل مناسب ہے لیکن۔۔۔"پھر رک اسے دیکھا جس کی آنکھیں یکدم ہی جگمگانے لگی تھیں۔

"میں تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کروں گی۔تم ابھی شادی نہیں کرنا چاہتے تو کوئی بات نہیں۔جب تم دل سے راضی ہو جاؤ گے تبھی تمہاری شادی کے بارے میں کچھ سوچیں گے۔"وہ مصروف سے انداز میں کہتیں اٹھ کر اندر جانے لگیں۔وہ بھی سرعت سے اٹھ کر ان کی راہ میں حائل ہوا۔

"مگر میں نے اس کے ساتھ شادی سے تو انکار نہیں کیا ہے۔"اس کے چہرے پر

پریشانی دیکھ کر انہوں نے بڑی مشکل سے اپنی امڈ آنے والی ہنسی کو روکا مگر وہ اپنی پریشانی میں سمجھ ہی نہ سکا۔

"ہاں چاند مگر تم تو ابھی کسی سے بھی شادی کرنا ہی نہیں چاہتے ہو ناں تو میں زبردستی تو نہیں باندھ دوں گی اس لڑکی کو تمہارے ساتھ۔ آخر کو یہ بھی کسی کی بچی ہے۔" وہ ابھی بھی مصنوعی سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔

"امی۔۔۔! یہ وہی ہے اسلام آباد کے ہوٹل والی لڑکی۔ جس نے ایک زخمی کتے کی مدد کرنے کے لئے سارا ٹریفک رکوا دیا تھا، جس نے ایک لاوارث بچے کو سڑک سے اٹھا کر پناہ دی تھی، جسے میں ڈیڑھ سال سے ہر جگہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ یہ وہی ہے!" اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح انہیں سمجھائے۔ کن الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کرے۔ اس کے جذباتی انداز میں ایک ہی سانس میں کہہ دینے پر وہ ہنس پڑیں۔

"میں سمجھ گئی ہوں پاگل! تمہارے چہرے پر یہ بات اتنے بڑے بڑے حروف میں لکھی ہے کہ کوئی نابینا بھی پڑھ لے۔" انہوں نے پیار سے اس کا گال تھپکا۔

☆☆☆

اور آج ٹھیک تین دن بعد وہ اس کے گھر میں اس کے ڈرائینگ روم میں اس کے ابا کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ اس سے بزنس اور دوسری مصروفیات کے حوالے سے چھوٹے موٹے سوالات کر رہے تھے جن کے وہ جوابات دے رہا تھا بظاہر سنجیدہ تاثرات لئے مگر اندر سے بہت بے چین تھا۔ کیونکہ وہ اب تک نظر نہیں آئی تھی۔ اس کی امی انہیں بار بار کھانے کے لوازمات کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن اس وقت اس کے حلق سے کچھ بھی نہیں اتر سکتا تھا۔

پھر کسی احساس کے تحت اس نے نظریں اٹھا کر دروازے کی سمت دیکھا اور اگلے ہی پل نظریں ٹھہر گئیں۔ دل کو جیسے یک گونہ سکون ملا۔

ہلکے گلابی رنگ کے گھٹنوں سے نیچے تک آتے گھیر دار فراک میں ہم رنگ ڈوپٹہ ایک کندھے پر ڈالے اور چہرے کے گرد سفید

حجاب لپیٹے دھیمی چال چلتی وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اسے ڈیڑھ سال پہلے سے زیادہ حسین لگی تھی۔ اپنی تصویر سے بھی زیادہ پُرکشش!

اپنی کھنکتی آواز سے سلام کرتی وہ تذبذب کا شکار نظر آ رہی تھی جب فوراً ہی شائلہ بیگم نے اٹھ کر اسے گلے لگا کر ماتھے پر پیار کیا۔ ان کے لئے تو وہ ان کے لاڈلے بیٹے کی

پسند تھی سو انہیں دل و جان سے پیاری تھی مگر وہ اس قدر والہانہ پن پر کچھ غیر آرام دہ سی ہو گئی تھی۔

انہوں نے سونل کو اپنے ساتھ صوفے پر اس کے مقابل بٹھا دیا۔ وہ اب بھی کچھ اضطراب کا شکار تھی مگر جیسے ہی شمائلہ بیگم نے اسے انگوٹھی پہنانی چاہی اس کے تو جیسے اوسان ہی خطا ہو گئے۔ انگوٹھی اسے پہنا دی گئی اور وہ ضبط کیے بیٹھی رہی۔ بولی کچھ نہیں مگر آنکھوں میں خفگی اور واضح احتجاج تھا۔

اور اسی چیز نے شہروز کمال کو رات تلک بے چین رکھا۔ وہ چاہ کر بھی خوش نہیں ہو پا رہا تھا کیونکہ اس کے چہرے پر خوشی کی کوئی رمق نہ دیکھی تھی۔ وہ ایک دفعہ ہلکا سا بھی نہ مسکرائی تھی۔ کیا اس کے ساتھ زبردستی ہو رہی تھی؟ کیا وہ شادی نہیں کرنا چاہتی؟ یا پھر اس سے نہیں کرنا چاہتی؟ یہ سارے سوالات اسے سونے ہی نہ دے رہے تھے۔ محسوس تو امی نے بھی کیا تھا مگر ان دونوں نے ہی اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔

کاش کسی طرح وہ اس سے بات کر پاتا۔ کم از کم کچھ معلوم تو ہوتا کہ مسئلہ کہاں ہے۔ وہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹے ہوئے ابھی یہی سب سوچ رہا تھا جب اس کے فون پر کسی اجنبی

نمبر سے کال آئی۔کچھ سوچ کر اس نے کال موصول کر لی اور سلام کیا جس کا جواب مدھر سی نسوانی آواز میں آیا۔وہ یکدم اٹھ بیٹھا،آواز پہچان تو لی تھی مگر وہ کبھی توقع ہی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اسے کال کرے گی۔وہ بھی رات کے اس وقت اس کے ذاتی نمبر پر۔

"میں سونل ہوں۔۔۔"اس کے استفسار کرنے پر وہ اپنا تفصیلی تعارف کروانے لگی۔

"مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔"وہ فوراً ہی مدعے پر آگئی تھی۔یعنی اس کا اندازہ درست تھا۔اسے ضرور کوئی مسئلہ تھا تبھی مجبور ہو کر اسے کال کی گئی تھی۔وہ دھڑکتے دل کے ساتھ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا جو تمہید باندھ رہی تھی۔ پھر جو بات اس نے کہی تھی۔کچھ پل کے لئے تو وہ واقعی گنگ ہو کر رہ گیا۔

"کیا تھی یہ لڑکی؟کہاں سے آئی تھی؟کوئی ایسا بھی ہوتا ہے۔۔۔؟اس قدر بے غرض اور ہمدرد!تو اس کا دل ہمیشہ سونل کے حوالے سے ٹھیک گواہی دیتا تھا۔وہ جب بھی سوچتا تھا کہ اب تک وہ اس بچے کو کسی یتیم خانے میں دے چکی ہو گی اس کا دل کبھی اس بات پر قائل ہی نہ ہوتا تھا۔ کبھی مانتا ہی نہ تھا۔اس نے سچ میں اس بچے کو گود لے لیا تھا، اپنا بیٹا بنا لیا تھا،یعنی واقعی؟اوہ خدایا۔۔۔!اب تصدیق کی ضرورت تو نہ تھی مگر اس نے

پھر بھی کر لی۔

"نہیں مگر وہ میرے لئے سگی اولاد کی طرح ہی ہے۔"اس کے جواب پر وہ مسکرایا تھا۔

اور پھر جس طرح شہروز نے اسے اپنے جواب سے مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی اس پر اب حیران ہونے کی باری اس کی تھی۔بے یقینی اس کی آواز سے جھلک رہی تھی اور دبا دبا سا غصہ بھی۔شاید نہیں یقیناً وہ اس سے انکار کی امید کر رہی تھی مگر وہ تو ازل سے اسی کی تھی تو وہ کوئی احمق تو نہ تھا جو انکار کر دیتا۔

فون رکھنے کے بعد وہ اوندھے منہ دوبارہ بیڈ پر گر گیا۔اس کے متوقع تاثرات کو چشمِ تصور سے دیکھتے ہوئے وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

"اور پھر میں نے اگلے دن ہی امی کو شایان کے بارے میں بتا دیا تھا۔وہ بھی پہلے تو بہت حیران ہوئیں مگر پھر انہوں نے مجھ سے صرف ایک ہی بات کہی تھی۔"اس نے دیکھا کہ اس کے پیر کی جلد ٹخنے کی طرف سے سفید ہونے لگی تھی تو برف لگانا روک دیا اور رومال سے وہ حصہ خشک کرنے لگا۔

"وہ چاہتی تھیں کہ میں ایک مرتبہ پھر اچھے سے سوچ لوں اس بارے میں، انہیں خود شایان سے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ انہوں نے مجھ سے یہی کہا کہ وہ لڑکی تو فطرتاً ہی نرم دل، حسّاس اور ہمدرد ہے۔ دوسروں کا درد محسوس کرنے والی اور ان سے بے غرض ہو کر محبت کرنے والی۔ اس کے لئے ایک پرائے بچے کو اپنی اولاد کی طرح پالنا اور اس کا خیال کرنا آسان ہو سکتا ہے مگر کیا تمہارے لئے بھی یہ سب اتنا ہی آسان ہو گا؟ کیا تم بھی اس بچے کو پورے خلوص کے ساتھ اپنا سکو گے؟ اگر کل تو اللہ نے کرم کیا اور تمہاری اپنی اولاد اس دنیا میں آئی تو کیا تم شایان اور اس سے برابری کا سلوک کر پاؤ گے؟ اگر تمہارا جواب ہاں ہے تو ٹھیک ہے ورنہ تمہیں یہ شادی نہیں کرنی چاہیئے۔" اس نے نرمی سے چوٹ کی جگہ پر کریم لگا دی۔ سر اٹھا کر اسے دیکھا جو بغیر پلکیں جھپکائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ آنسو بھی گالوں پر بہہ رہے تھے۔

"میں صرف تمہیں متاثر کرنے کی غرض سے جھوٹ نہیں بولوں گا یا قبل از وقت بڑے بڑے دعوے نہیں کروں گا بلکہ اگر سچ کہوں تو میں تمہاری طرح بالکل نہیں ہوں۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ میں نے کبھی بچپن سے لے کر اب تک کسی کی کبھی یوں مدد کی ہو یا مشکل وقت میں کسی کے کام آیا ہوں۔ میں نے تو کبھی جانور بھی نہیں پالے ہیں

کہ ان سے محبت یا انسیت ہو جائے۔" پھر اس نے سونل کی گود میں خاموش بیٹھے شایان کو دیکھا جو کبھی روتی ہوئی اپنی مما کو تو کبھی اسے دیکھ رہا تھا۔اس کے لئے یہ صورتحال نئی اور عجیب تھی۔

"مگر آج ایک وعدہ میں کرنا چاہتا ہوں کہ خود کو تبدیل کرنے کی کوشش کروں گا۔ تمہاری صحبت میں تمہاری طرح اچھا بننے کی کوشش کروں گا۔اور کچھ نہیں تو کم از کم ہمارے بیٹے شایان شہروز کمال کو ہی ایک باپ کی بے غرض محبت دوں گا اور اسے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دوں گا۔آئی پرامس!" وہ بہت جذب اور پورے دل سے عہد کر رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کے آنسوؤں میں مزید روانی آگئی۔دل اسی پل اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے کو چاہ رہا تھا۔واقعی وہ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے۔وہ انسان پر کبھی اتنا بوجھ ڈالتا ہی نہیں جتنا وہ سہہ نہ سکے۔۔۔ کبھی بھی نہیں! وہ انسان کو مشکل میں ڈالنے سے پہلے ہی اسے اس مشکل سے نکالنے کا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے۔بس ضرورت ہوتی ہے اس کی ذات پر توکل کرنے کی۔۔۔!

شایان کو اپنے ساتھ گھر لے کر آنے کے بعد کے سارے مناظر اس کی آنکھوں کے

سامنے چلنے لگے۔سب سے پہلے تو رضیہ بیگم نے ہی اس کے اس عمل کی سخت مخالفت کی تھی جو کہ آج تک جاری ہے۔اس کے بعد محلے دار، رشتہ دار، دوست اور دوسرے تمام لوگوں نے بھی اس کی زندگی عذاب بنانے میں کوئی کسر نہیں رکھ چھوڑی تھی۔ان کی عجیب نظریں، زہر خند جملے جن میں شایان کے لئے حقارت ہی حقارت ہوتی تھی اور اس کے کردار پر اٹھائے گئے سوال۔۔۔!ایک ایک بات اسے اچھے سے یاد تھی۔

مگر اللہ نے اسے تنہا نہیں چھوڑا تھا۔وہ دعاؤں میں ثابت قدمی اور حوصلہ مانگا کرتی تھی۔درست فیصلہ کرنے کی استطاعت مانگا کرتی تھی اور جب بھی شایان کو خود سے الگ کرنے کا سوچتی تھی دل کبھی اس بات پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔اگر اللہ نے اسے شایان کی صورت آزمایا تھا۔کچھ عرصہ کے لئے مشکلات میں ڈالا تھا تو رحمان صاحب کی صورت آسانی بھی ساتھ ہی تھی۔اس مشکل وقت میں انہوں نے کبھی بھی اسے تنہا اور غمگیں نہ ہونے دیا تھا۔وہ اس کی ڈھال بن کر اس کے اور دنیا کے درمیان کھڑے ہو گئے تھے۔شایان کو بے لوث محبت بھی دی تھی اور اب جب وہ ابا کا گھر چھوڑ کر یہاں آئی تھی تو سامنے بیٹھے اس شخص کی بدولت اسے اپنا اور شایان کا مستقبل سہل نظر آرہا تھا۔

سچ کہتے ہیں اللہ اپنے بندوں کی مدد وہاں سے کرتا ہے جہاں سے وہ تصور بھی نہیں کر سکتے!

"پیر میں زیادہ درد ہو رہا ہے کیا؟" شہروز کی آواز اسے سوچوں کے تسلسل سے باہر کھینچ لائی۔ وہ اس کے یوں زار و قطار رونے پر فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"دین اسٹاپ کرائینگ! (پھر رونا بند کرو) دیکھو شانی بھی پریشان ہو رہا ہے تمہارے آنسوؤں سے۔" اس نے شایان کو اس سے لے کر اپنی گود میں بٹھایا اور نرمی سے اس کے پھولے پھولے گال کھینچے۔ شایان نے دونوں آنکھیں میچیں اور جھینپا جھینپا سا مسکرایا۔ ان دونوں کے چہروں پر اسے دیکھ کر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ لیکن اگلے ہی لمحے سونل کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

اسے حیرت کا جھٹکا لگا جب شایان شہروز کی گود میں ہی کھڑا ہوا اور "بابا!" کہتے ہوئے دونوں بازو اس کے گلے میں ڈال کر اس کے سینے سے لگ گیا۔ شہروز نے اسے خود میں بھینچ لیا۔

"انکل اسے ہماری منگنی کے بعد کئی بار یہاں لائے ہیں میرے کہنے پر تاکہ یہ مجھ سے

اور اس گھر سے کچھ مانوس ہو جائے۔ میں نے ہی اسے بابا کہنا سکھایا ہے۔" وہ اس کی حیرت بھانپ کر مسکراتے ہوئے وضاحت کر رہا تھا۔ سونل کا دل کچھ اور موم ہوا تھا اس کے لئے۔

"پتا ہے ابھی تھوڑی دیر پہلے تم جس طرح اس کی خاطر شیرنی بنی ہوئی تھیں اور پھر اسے صحیح سلامت دیکھ کر جو اطمینان تمہارے چہرے پر چھلکا تھا وہ سچ مچ مجھے حیران کر گیا۔" وہ بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے نیم دراز ہو گیا اور شایان کو اپنے سینے پر بٹھایا۔

"تمہیں بہت محبت ہے ناں اس سے؟" شایان اپنی سنہری آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے شہروز کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر لگی بینڈج پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے اس کا چہرہ پکڑ کر جھکایا اور زخم پر لب رکھے۔ پھر اسے دوبارہ سیدھا کرتے ہوئے ہلکا سا گدگدایا۔ وہ زور سے کھلکھلایا۔

"میں جتنی محبت اس سے کرتی ہوں یہ اس سے کئی گنا زیادہ پیار مجھ سے کرتا ہے۔" وہ ان دونوں کے یہ محبت بھرے مظاہرے ملاحظہ کرتے ہوئے بولی۔

''ویسے اب تو تمہیں یقین آ گیا ناں کہ میں نے کسی مقصد کے تحت نہیں کی ہے یہ شادی۔''اس کا انداز شرارتی تھا۔

''آئم سوری! میں اوورری ایکٹ کر گئی۔''اسے کچھ دیر پہلے کے اپنے رویے پر شرمندگی ہوئی۔

''سوری کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''وہ اٹھ بیٹھا اور شایان کو جو سونل کی جانب لپک رہا تھا بیڈ پر چھوڑ دیا۔وہ رینگتے ہوئے اس کی گود تک پہنچا اور اوندھے منہ لیٹ گیا۔اسے نیند آ رہی تھی۔وہ اس کی پشت نرمی سے تھپکنے لگی۔

''بلکہ مجھے اچھا لگا کہ تم اپنے سے جڑے رشتوں کی حفاظت کے لئے کسی کے بھی سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو سکتی ہو، مقابلہ کر سکتی ہو۔انسان کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔''وہ اس کی شرمندگی زائل کرتے ہوئے اسے سراہ رہا تھا۔

''اوہ ایک چیز تو میں بھول گیا۔ایک منٹ!''اس نے یکدم کچھ یاد آنے پر اپنے کرتے کی جیب میں کچھ تلاش کیا، اٹھ کر اس کی طرف کے سائیڈ ٹیبل کے دراز کھول کر دیکھے، دوسری طرف کے دراز بھی چیک کیے۔پھر اٹھا اور سنگھار میز کے سارے دراز کھنگالنے لگا، واشروم میں بھی ڈھونڈ کر آیا مگر کچھ ملا نہیں۔تکیوں کے نیچے،

صوفے کے پیچھے، پلنگ کے نیچے، پردوں کے پیچھے، دیوار کے ساتھ لگے شیلف پر غرض کہ ہر جگہ اس نے وہ گمشدہ شے تلاش کر لی۔ دو منٹ وہیں کھڑے ہو کر دماغ پر زور ڈالا۔ اچانک ہی دماغ میں کچھ کلک ہوا اور وہ الماری کی جانب آیا اور اس میں تلاش کیا۔ اس بار ناکامی نہیں ہوئی۔ وہ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف واپس آیا۔ ہاتھ میں ایک نیلے رنگ کا مخملی ڈبہ تھا۔ اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے سونل کو زور سے ہنسی آ گئی۔

"ہنسنا بند کرو لڑکی!" اس نے مصنوعی رعب سے اسے ڈانٹا جبکہ اسے خود بھی ہنسی آ رہی تھی۔

"یہ تم نے میرے روز کے معمول کی ایک چھوٹی سی جھلک دیکھی ہے۔ مجھے چیزیں رکھ کر بھول جانے کی عادت ہے۔ اگر کوئی چیز میں نے کہیں رکھی ہے اور اب وہ نہیں مل رہی اس کا مطلب ہے کہ وہ اب کہیں بھی ہو سکتی ہے۔ کہیں بھی!" اپنے لفظوں پر زور ڈالتے ہوئے بولا۔

"کسی بھی جگہ تلاش کرتے ہوئے یہ مت سوچنا کہ میں وہاں کیوں رکھوں گا اس چیز کو۔ میں رکھ سکتا ہوں بلکہ رکھا ہی ہو گا۔" وہ مزے سے اسے بتا رہا تھا۔ اسے پھر سے

ہنسی آگئی۔شہروز نے وہ ڈبہ کھول کر اس کے سامنے کیا۔

''تمہاری منہ دکھائی!''بہت خوبصورت اور منفرد ڈیزائن پر بنے دو کنگن دیکھ کر وہ مسکرادی۔

''کیسے لگے؟''اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''بہت پیارے!''شہروز نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی۔اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا۔وہ نرمی سے اس کے ہاتھوں میں وہ کنگن پہنا گیا مگر ایک ہاتھ ابھی بھی تھام رکھا تھا۔اپنے ہاتھ میں موجود کنگن کو غور سے دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ اس پر 'سونل شہروز' کے الفاظ کندہ تھے۔پہلی نظر میں اسے وہ ڈیزائن کا حصہ ہی سمجھی تھی۔اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''تمہیں پتا ہے تمہارے اندر سب سے خوبصورت چیز کیا ہے؟''وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا۔وہ مسکراتے ہوئے ہلکا سا جھکا اور اپنے ہاتھ میں تھامے اس کے ہاتھ کی پشت پر لب رکھے۔

''تمہارا دل!''وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گویا ہوا جہاں اس وقت ستاروں

کی سی چمک موجود تھی۔

"تمہارے اندر سب سے خوبصورت چیز تمہارا دل ہے۔جو محبت اور احساس سے بھرا ہوا ہے۔جو دوسروں کی تکلیف پر تکلیف محسوس کرتا ہے۔ایسے دل اور دل والے لوگ بہت انمول ہوتے ہیں۔اور میں خوش قسمت ہوں جو تم مجھے ملیں۔" کہتے ہوئے اس کا ہاتھ ہلکا سا کھینچ کر اسے نزدیک کیا تھا۔اس نے مسکراتے ہوئے نظریں جھکائیں۔ شہروز نے جھک کر نرمی سے اس کی پیشانی کا بوسہ لیا اور اسے ساتھ لگا لیا۔سونل نے اس کے سینے پر سر رکھے خود کو تمام فکروں،پریشانیوں اور اندیشوں سے آزاد محسوس کرتے ہوئے طمانیت سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

آسمان پر ہلکا جامنی رنگ پھیل رہا تھا۔ابھی بھی دور کہیں فجر کی اذانیں گونج رہی تھیں۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے جانماز پر بیٹھی تھی۔آج اللہ سے کہنے کے لئے اتنا کچھ تھا مگر اسے الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس کس چیز کا شکر ادا کرے۔یکدم ہی اس کی جھولی میں اتنا کچھ ڈال دیا گیا تھا جو اس سے سنبھالا نہ جا رہا تھا۔اس کے بقول وہ اتنے کی مستحق نہیں تھی جتنا اسے نواز دیا گیا تھا۔اس نے

بہتی آنکھوں کے ساتھ دھندلی نظروں سے اپنی شفاف ہتھیلیوں کو دیکھا اور بس اتنا ہی کہا کہ:

"یااللہ! تجھ سے بس اتنی ہی دعا ہے کہ مجھے ہمیشہ اپنے شکر گذار بندوں میں سے رکھنا۔ ان لوگوں میں شامل رکھنا جو تجھے محبوب ہیں، جو صراطِ مستقیم پر بڑی ثابت قدمی کے ساتھ گامزن ہیں اور جن کے دل دنیا کے بجائے تیری محبت کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ مجھے کبھی گناہگاروں اور ناشکروں میں سے مت ہونے دینا۔"

دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر کر وہ اٹھی اور کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ شہروز مسجد گیا ہوا تھا۔ کچھ خیال آنے پر وہ پلٹی اور بیڈ سائیڈ ٹیبل پر دھرا اپنا فون اٹھایا اور میسجز چیک کرتے ہوئے وہ کاٹ میں لیٹے شایان تک آئی جو آنکھیں بند کیے، دونوں ہاتھ اوپر کی طرف اٹھائے مٹھیاں بھینچے، نیم وا ہونٹوں کے ساتھ سو رہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے جھکی اور اس کی دونوں آنکھوں پر لب رکھ کر سیدھی ہوئی۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے ایک اجنبی نمبر سے موصول ہونے والا پیغام کھولا۔ پہلی سطر پڑھتے ہی بھیجنے والے ک نام سے وہ واقف ہو گئی۔ بے ساختہ نظریں سوتے ہوئے شایان پر پڑیں پھر وہ پلٹ کر بیڈ تک آئی اور بیٹھ گئی۔ نظریں اسکرین پر جمی تھیں جہاں درج تھا:

"سونل! میں فرید ہوں۔ میں جانتا ہوں تم میرا نام پڑھ کر پریشان ہو جاؤ گی مگر تم جیسا سوچ رہی ہو میں ایسا کچھ نہیں کہنے والا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ شہروز یا تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو اور کیا نہیں مگر میں خود تم دونوں کو سب کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ ہاں شایان میرا بیٹا ہے۔۔۔ میرا اسکا بیٹا! وہ میری جائز اولاد ہے۔ اس کی ماں آئمہ میری بیوی تھی۔ نکاح کیا تھا میں نے اس سے۔ تمہیں

شاید میری بات پر یقین نہ آئے اسی لئے میں اس میسج کے ساتھ ہمارے نکاح نامے کی تصویریں بھیج رہا ہوں۔

تم سوچ رہی ہو گی کہ اگر یہی سچ ہے تو مجھے اپنی بیوی اور بیٹے کو کسی گناہ کی طرح چھپانے کی کیا وجہ تھی؟ وجہ تھی میری ماں۔۔۔! تقریباً تین سال قبل، میں اسلام آباد ایک دوست کی شادی میں شرکت کرنے گیا تھا اور وہیں میری ملاقات آئمہ سے ہوئی تھی۔ ہم دونوں پہلی ملاقات میں ہی ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد میں جتنے دن میں وہاں ٹھہرا کبھی اس کے ہاسٹل تو کبھی آفس کے چکر لگا کر اس سے ملتا رہا۔ پھر کراچی واپس آنے سے پہلے میں نے اس سے جلد اپنے گھر والوں سمیت واپس آنے کا وعدہ کیا تھا اور وہ مطمئن ہو گئی۔

گھر پر جب میں نے ایک لڑکی کا ذکر کیا تو امی نے سب سے پہلے اس کے خاندان، حسب نسب کے بارے میں سوال کیا۔ میں تھوڑا بہت جانتا تھا مگر کبھی آئمہ سے کھل کر اس بارے میں بات نہیں کی تھی سو اس وقت لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ کچھ وقت بعد میں پھر اسلام آباد اس کے سامنے موجود تھا۔ اس نے مجھے اپنے ماضی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ وہ اپنے باپ کی دوسری اور خفیہ شادی سے ہونے والی اکلوتی اولاد تھی۔ اس کی ماں اس کی پیدائش کے وقت ہی اس دنیا سے چل بسی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے باپ کو اسے لے کر اپنی پہلی بیوی کے پاس ہی آنا پڑا۔ اس کی سوتیلی ماں نے پہلے تو خوب ہنگامہ مچایا مگر پھر شوہر کے آگے مجبور ہو کر اسے قبول کرنا پڑا مگر کبھی اسے ماں کا پیار نہیں دیا۔

کچھ سالوں بعد ہی اسے بورڈنگ اسکول بھیج دیا گیا اور پھر اسے کبھی دوبارہ گھر جانا نصیب نہ ہوا۔ بس اس کا باپ ہی اس سے ملنے آجایا کرتا تھا۔ جب وہ تھوڑی بڑی ہوئی اور اپنی زندگی سے جڑیں تمام حقیقتوں سے واقف ہوئی تب اس نے خود ہی اپنے باپ کو اتنی زحمت کرنے سے بھی روک دیا تھا۔ اور اس طرح وہ اس بھری دنیا میں سگے باپ کے ہوتے ہوئے بھی بالکل تنہا ہو گئی تھی۔ یہ ساری باتیں جان کر ایک طرف

مجھے اس سے ہمدردی ہوئی تو دوسری طرف پریشانی کیونکہ یہ سب جاننے کے بعد امی کبھی بھی اسے قبول نہ کرتیں۔اس لئے بہت سوچنے کے بعد ایک ہی حل میری سمجھ میں آیا اور ہم دونوں نے کورٹ میرج کرلی۔میں نے سوچا کہ جب امی اور باقی سب کو میری شادی کا علم ہوگا تب ان کے پاس آئمہ کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ ہوگا مگر میں غلط تھا۔

میں اسے لئے اپنے دوست کے ایک اپارٹمنٹ میں آگیا۔وہ خوش تھی مگر پوری طرح مطمئن نہیں تھی۔بار بار مجھ سے ایک ہی ضد کرتی تھی کہ اسے اپنے گھر لے کر جاؤں۔مگر میں اسے ہر بار ٹال دیتا تھا۔اور پھر میں اسے وہیں چھوڑ کر گھر واپس آگیا۔یہ میری سب سے بڑی غلطی تھی۔وہ رو رہی تھی،روک رہی تھی مجھے مگر میں نہیں رکا۔ میرا خیال تھا کہ پہلے خود جا کر گھر والوں کو راضی کرلوں پھر اسے ساتھ لے جاؤں گا۔گھر جاتے ہی میں نے آئمہ کے ماضی سے متعلق ہر بات سب کے سامنے رکھ دی۔ ان کا ردِ عمل میری توقع کے مطابق تھا۔وہ لوگ ایک ایسی لڑکی جس کا کوئی والی وارث نہیں ہے،جو ہمیشہ ہوسٹلز میں تنہا رہی ہے اسے اپنے گھر کی بہو بنانے پر راضی نہ تھے۔

تب میں نے انہیں اپنے نکاح کی اطلاع دی۔سب پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔میں نے

ان سے کہا کہ اگر وہ میری بیوی کو قبول نہیں کر سکتے تو میں بھی اس گھر سے چلا جاؤں گا اور میں چلا بھی جاتا اگر امی وہ سب نہ کرتیں۔انہوں نے اپنی کلائی پر چھڑی پھیر کر نس کاٹ لی۔ان کی حالت تشویش ناک تھی۔میں بہت پریشان تھا۔مجھے اس سب میں اپنا ہی قصور نظر آرہا تھا۔کافی گھنٹے گزر جانے کے بعد امی کو تھوڑی دیر کے لئے ہوش آیا اور انہوں نے مجھ سے ملنا چاہا۔اپنی ماں کو ہسپتال کے بستر پر اتنی بُری حالت میں دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میرے ذہن سے ہر بات محو ہو گئی۔آئمہ،ہماری شادی،اس سے کیے سارے وعدے۔۔۔سب کچھ!یاد رہا تو بس یہ کہ سامنے موجود عورت میری ماں ہے جس نے بہت تکلیفیں سہہ کر مجھے پالا ہے۔انہوں نے مجھ سے اسی وقت اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم اٹھوائی کہ ان کو کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گا اور اپنی بیوی کو طلاق دے دوں گا۔اس سے پھر کبھی نہیں ملوں گا۔میں نے ان سے وعدہ کر لیا اور اس دن میں ایک اچھا بیٹا تو بن گیا مگر انسان بہت بُرا بن گیا۔

میں نے آئمہ کو طلاق کے کاغذات بھجوا دیے یہ جانے بنا کہ ہماری اولاد اس دنیا میں آنے والی ہے۔وہ مجھے بار بار فون کرتی رہی مگر میں نے اس سے بات نہیں کی۔ایک بار بھی سننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔کتنا بے حِس ہو گیا تھا میں۔

میرے جیسے مرد جو اپنے لفظوں پر قائم نہیں رہ سکتے، جو محبتوں میں توازن نہیں رکھ سکتے، جو اپنی بیوی کے لئے دنیا کے سامنے کھڑے نہیں ہو سکتے انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی لڑکی کے جذبات کے ساتھ کھیلیں۔ پہلے انہیں سنہرے خواب دکھائیں پھر ان کی زندگی میں اندھیرا کر جائیں۔ ہمیں کوئی حق نہیں ہے کسی سے محبت یا نکاح کرنے کا جب ہم اسے عزت کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل ہی نہیں کر سکتے۔

مجھے گھن آ رہی ہے اپنے وجود سے یہ سوچ کر کہ لوگ میرے بیٹے کو۔۔۔ میری جائز اولاد کو پتا نہیں کس کس نام سے پکارتے رہے، اس کی ذات دنیا کے سامنے ایک سوالیہ نشان بن گئی، لوگوں کو تو چھوڑو میری اپنی ماں بھی اسے گندگی کا ڈھیر اور گندا خون کہتی رہی۔ اس سب کا ذمہ دار میں ہوں۔ میں دنیا کا سب سے بُرا شوہر اور سب سے بد قسمت باپ ہوں۔ میری بیوی کو میری وجہ سے حرام موت کو گلے لگانا پڑا اور میرا بیٹا میرے ہوتے ہوئے بھی لاوارثوں جیسی زندگی گزارتا رہا۔

میری تم سے بس ایک درخواست ہے۔ کبھی شایان کی ذات کو سوالیہ نشان مت بننے دینا۔ اس کی ماں بھی اپنے باپ کی جائز اولاد تھی مگر ساری زندگی وہ لوگوں کی نظروں میں سوالیہ نشان بنی رہی جس کے آگے پیچھے پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اگر لوگ اسی

طرح شایان کے وجود پر بھی سوال اٹھائیں گے تو آئمہ کی روح کو کبھی سکون نہیں ملے گا۔ تم دونوں نے مجھ پر بہت سے احسان کیے ہیں۔ یہ ایک آخری احسان بھی کر دینا۔"

اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو گر رہے تھے۔ کیا ہے یہ دنیا؟ کیسے لوگ ہیں یہ؟ اس قدر سفاک اور بے رحم۔۔۔! اسے اس ان دیکھی لڑکی آئمہ کے لئے رونا آرہا تھا۔ اس دنیا نے اسے کچھ نہیں دیا سوائے غم کے، ساری زندگی وہ در در کی ٹھوکریں کھاتی رہی اور آخر میں بھی خالی ہاتھ ہی اس دنیا سے چلی گئی۔ شایان کے لئے بھی تکلیف ہو رہی تھی۔ اس بچے کا کیا قصور تھا جو اسے ماں باپ کے زندہ ہوتے ہوئے بھی لاوارثوں کی طرح سڑک پر مرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ وہ لوگوں کی حقارت بھری نظروں اور باتوں کی زد میں

رہا۔

اس نے اپنے ہاتھ کی پشت سے گال پر بہتے آنسو صاف کرنا چاہا جب کسی نے نرمی سے وہ آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں پر چن لئے۔ کمرے میں نیم اندھیرا اور موبائل کی روشنی کو دیکھنے کے باعث اسے پتا ہی نہ چلا کہ وہ کب آیا اور اس کے ساتھ ہی بیٹھا موبائل اسکرین پر موجود فرید کا پیغام پڑھنے لگا۔

اس نے کچھ کہے بغیر سونل کو اپنے ساتھ لگالیا۔ دونوں کے درمیان ایک بھی لفظ کا تبادلہ نہیں ہوا مگر غیر محسوس انداز میں دونوں ہی نے کاٹ میں لیٹے شایان پر نظریں جمائے دل میں اور بھی مضبوط ارادہ کیا کہ اسے کبھی پیار، محبت، توجہ اور کسی بھی چیز کی کمی ہونے نہیں دیں گے۔

☆☆☆

وہ شکستہ چال چلتیں پھر فرید کے کمرے کے بند دروازے کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ رات جو کچھ ہوا اس کے بعد وہ سمجھ گئی تھیں کہ شایان فرید اور آئمہ کی اولاد ہے۔ ان کے بیٹے کا خون! اور وہ اسے نجانے کیا کچھ کہتی رہی تھیں۔ کیسے کیسے الفاظ اس کے لئے استعمال کرتی رہیں۔ وہ اپنے ہی خون کو گندا کہتی رہی تھیں۔ سچ کہتے ہیں انسان کے اپنے ہی الفاظ لوٹ کر اس تک آتے ہیں اور منہ پر کسی تمانچے کی طرح لگتے ہیں۔

رات گھر آنے کے بعد فرید سیدھا اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔ انہوں نے اسے روکنے کی کوشش کی تو جواباً اس نے انہیں جن نظروں سے دیکھا وہ ساکت ہو گئیں۔ برف جیسی ٹھنڈک تھی ان نظروں میں، وہ منہ سے کچھ نہیں بولا مگر اس کی نظریں چیخ چیخ کر انہیں ہی ہر بات کا قصوروار ٹھہرا رہی تھیں۔

''میں سونا چاہتا ہوں امی!'' وہ بے تاثر آواز میں بولا اور کمرے میں جا کر دروازہ بند کر دیا۔

رات بھر بے چین رہنے کے بعد وہ صبح پھر اس کے کمرے کے باہر موجود تھیں۔

''فرید! فرید بیٹا دروازہ کھول!'' انہوں نے دروازے پر دستک دی مگر جواب ندارد۔

اکبر صاحب (ان کے شوہر) بھی کمرے سے باہر نکل کر یہیں چلے آئے اور آنکھوں کے اشارے سے پوچھا (کھولا دروازہ؟) انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''فرید دروازہ کھولو بیٹا!'' انہوں نے بھی کوشش کی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ وہ مسلسل دروازہ بجانے لگے۔

''فرید۔۔۔ فرید!'' دونوں میاں بیوی تشویش کا شکار ہوئے۔ رشیدہ بیگم آگے بڑھ کر باقاعدہ دروازہ پیٹنے لگیں۔ اکبر صاحب نے انہیں پیچھے ہٹایا اور اپنے کندھے سے دروازہ توڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ چوتھی بار یہی عمل دہرانے پر دروازہ کھل گیا۔ دونوں ہی اندر داخل ہوئے مگر سامنے جو منظر ان کا منتظر تھا اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ برف بن گئے۔ ایک قدم بھی آگے بڑھانے کی سکت نہ رہی۔

ان کے نوجوان خوبرو بیٹے کا بے جان جسم پنکھے سے جھول رہا تھا۔روح کب کی پرواز کر چکی تھی۔دونوں میاں بیوی وہیں ڈھے گئے۔انہیں کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ساری آوازیں آنا بند ہو گئیں۔یوں لگا جیسے سانس کی نالی میں کچھ اٹک گیا ہو۔وہ اب کبھی اگلا سانس نہیں لے سکیں گے۔آنکھیں فرید کے بے جان لٹکتے وجود پر ساکت ہو چکی تھیں۔

اچانک رشیدہ بیگم اپنی جگہ سے اٹھیں اور ہذیانی انداز میں چیختیں بھاگتے ہوئے اس تک آئیں اور اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر انہیں اونچا کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔کمرہ ان کی دلخراش چیخوں سے گونج رہا تھا۔اکبر صاحب بھی بلند آواز سے رو رہے تھے۔جوان اولاد کی موت کا صدمہ اتنا بڑا تھا کہ دونوں اپنے حواس کھو بیٹھے تھے۔

پتا نہیں لوگ کسی اور پر ظلم کرتے ہوئے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ یہ دنیا مکافاتِ عمل ہے۔جو چیز آپ دوسروں کو دیتے ہیں وہی لوٹ کر آپ تک آتی ہے۔انہوں نے ایک بے ضرر،بے آسرا اور بے قصور لڑکی کو طلاق دلوائی تھی،اس سے اس کا شوہر چھین لیا تھا۔صرف اس لئے کہ وہ باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیموں کی سی زندگی گزارتی آئی تھی۔اس کا تعلق کسی اونچے خاندان سے نہیں تھا۔اپنے خاندانی اور دو

بیٹوں کی ماں ہونے کے زعم میں وہ اتنی اندھی ہو چکی تھیں کہ یہ تک نہ دیکھ سکیں اپنے اس عمل سے کسی اور کی تو کیا خود اپنے بیٹے کی زندگی وہ برباد کر چکی ہیں۔

جس دن اس نے آئمہ کو طلاق بجھوائی تھی۔اس دن کے بعد سے پھر کبھی انہوں نے فرید کو پہلے کی طرح ہنستے مسکراتے شوخیاں کرتے نہیں دیکھا تھا۔ سنجیدگی اس کی ذات کا حصہ بن گئی تھی۔ بات بھی صرف ضرورت کے تحت ہی کرتا تھا۔وہ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی انجان بن گئیں۔ان کا خیال تھا کہ کچھ وقت میں وہ سنبھل جائے گا۔ پھر وہ اپنی پسند سے ایک اعلیٰ حسب نسب سے تعلق رکھنے والی چاند سی بہو لے آئیں گی اور سب ٹھیک ہو جائے گا مگر ٹھیک ہونے کے بجائے آج سب کچھ ختم ہو گیا!

پیچھے صرف پچھتاوے باقی تھے! اور انہیں اپنی باقی ماندہ زندگی اب انہی پچھتاووں کے ساتھ گزارنی تھی۔

****

ختم شدہ

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیو ایرا میگزین(New Era Magazine)کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل، شاعری، پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیو ایرا میگزین